بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضمیمجات متعلق پارہ دہم ۱۰

ضمیمہ نوٹ نمبر ۲ متعلق صفحہ ۳۰۲

تفسیر قمی میں سبب غزوۂ حنین یہ تحریر ہے کہ جب جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے قصد سے چلے ہیں تو اظہار یہ فرمایا تھا کہ قبیلۂ ہوازن کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ خبر قبیلۂ ہوازن کو پہنچی تو اُنہوں نے بہت کچھ تہیہ کیا۔ جماعتیں بھی بڑی بڑی اکٹھی کیں اور ہتھیار بھی بہت کثرت سے جمع کئے اور اُنکے سب سردار جمع ہوکر مالک ابن عوف نضری کے پاس آئے سب نے ملکر اس کو اپنا سردار بنایا اور اپنے اپنے مقامات سے اپنے ہر قسم کے اموال اور عورات اور اطفال کو ساتھ لیکر چل پڑے۔ یہانتک کہ وادی اوطاس میں آکر اُترے۔ ان لوگوں میں دُرید ابن صمہ جشمی بھی تھا جو قبیلۂ جشم کا سردار تھا یہ بڈھا آدمی تھا جسکی بڑھاپے کے سبب سے آنکھیں بھی جاتی رہی تھیں۔ اس نے زمین کو ہاتھ سے چھوکر دریافت کیا کہ تم لوگ کونسی وادی میں ہو؟ جو آس پاس تھے بولے کہ وادی اوطاس میں۔ کہنے لگا ٹھیک یہ گھوڑے دوڑانے کی اچھی جگہ ہے۔ نہ تو سخت پتھریلی ہے نہ نرم ریتلی مگر یہ کیا بات ہے کہ میں اونٹوں کا بلبلانا۔ گدھوں کا رینگنا۔ گایوں کا ڈکرانا۔ بکریوں کا ممیانا۔ اور بچوں کا رونا ایک ساتھ سُن رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا بات یہ ہے کہ مالک ابن عوف کل لوگوں کو مع اُن کے اہل وعیال اور ہر طرح کے مال کے لے آیا ہے تاکہ ہر ایک مرد اپنے اہل وعیال کی حمایت اور اپنی جان و مال کی حفاظت مدنظر رکھ کر لڑے۔ دُرید نے یہ سُنکر کہا آخر تو بھیڑ بکریاں چرانیوالا ہی بنا؟ ربِّ کعبہ کی قسم اُسے فن جنگ سے کیا واسطہ؟ پھر کہا کہ ذرا مالک کو تو میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ آیا تو اُس سے کہا کہ اے مالک یہ تو نے کیا کیا ہے؟ مالک نے کہا کہ میں تمام لوگوں کو مع اُن کے اموال اور اہل وعیال کے لے آیا ہوں تاکہ ہر شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کو پس پشت رکھے اور اُنکی پشتی پنے میں بہت ہی جمکر لڑے۔ اُس بوڑھے نے کہا کہ اے مالک! تو اپنی قوم کا سردار ہے اور مقابلے میں ایک مردِ کریم کے جارہا ہے آج اس کا موقعہ باقی ہے کہ آیندہ کے لئے اصلاح کرلے قبیلۂ ہوازن کے بال بچوں کو مخالف کے گھوڑوں کے آگے ڈال دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ وائے ہو تجھ پر تو نے یہ غور نہیں کیا کہ بھاگنے والا پلٹ کر کبھی کسی چیز کی طرف بھی نہیں دیکھا کرتا۔ تو قبیلۂ ہوازن کے بال بچوں کو بلند علاقوں میں بھیجدے۔ جہاں دشمنوں کے سوار نہ پہونچ سکیں اور مردوں کو گھوڑوں پر سوار کرکے سامنے کر اس لئے کہ اگر تجھے کوئی چیز نفع دے سکتی ہے تو وہ سوارانِ شمشیر زن ہونگے پھر اگر میدان تیرے ہاتھ رہا تو تو اُن سب سے جا ملیگا اور اگر رن تیرے برخلاف پڑا تو تو اپنے اہل وعیال کی فضیحت کا باعث تو نہ ہوگا۔ مالک نے اُس سے کہا چونکہ تم زیادہ بوڑھے ہوگئے ہو اس لئے تمہارے عقل و علم بھی پرانے ہوگئے

میں بہر حال دُرید کی بات نہ مانی۔ دُرید نے دریافت کیا کہ قبیلہ کعب و کلاب نے کیا کیا؟ لوگوں نے کہا کہ ان میں سے تو کوئی بھی نہیں آیا کہنے لگا بس تو عزم و کوشش کا بھی خاتمہ ہی سمجھو اگر خوش بختی اور برتری ہونے والی ہوتی تو کعب و کلاب غائب نہ ہوتے اچھا ہوازن میں سے کون کون موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ عمرو ابن عامر اور عوف ابن عامر۔ کہا وہ تو بچے ہیں۔ اُن سے نہ کوئی نفع پہنچے گا نہ نقصان۔ پھر دُرید نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ لڑائی شدید آن پڑی پھر یہ شعر پڑھے۔

يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعْ   أَخُبُّ فِيهَا وَأَضَعْ
أَقُوْدُ وَطْفَاءَ الزَّمَعْ   كَأَنَّهَا شَاةٌ صَدَعْ

ترجمہ:- کاش میں اس لڑائی میں نوجوان ہوتا تو میں اس میں مدد کرنے کے لئے تیز تیز بھاگتا دوڑتا (یعنی خوب جد وجہد کرتا) اور میرے لئے اس لمبے چوڑے لشکر کی سپہ سالاری کر لینا ایک دُبلی پتلی بکری کے لے چلنے سے زیادہ اہم نہ ہوتا۔

جناب رسولِ خدا کو بھی وادی اوطاس میں قبیلہ ہوازن کے جمع ہونے کی خبر پہنچ گئی۔ پس آپ نے قبائل کو جمع فرمایا۔ اُن کو جہاد کی ترغیب دی اور نصرت کا وعدہ فرمایا اور اُن کو یہ اطلاع دی کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا مال اِن کے بچے ان کی عورتیں سب ہم کو غنیمت میں عطا فرمائے گا پس لوگ بھی جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے اپنے جھنڈوں کے تحت میں چل کھڑے ہوئے آنحضرتؐ نے سب سے بڑا علم خود اپنے دستِ مبارک سے درست کر کے امیر المومنین علیہ السلام کے حوالہ کیا اور مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت جو شخص اپنی قوم کا علمدار رہا حکم دیا کہ وہ اب بھی علمدار ہو کر چلے اس طرح بارہ ہزار فوج کو لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برآمد ہوئے از آنجملہ دس ہزار وہ تھی جو آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ آئی تھی۔ یہ سب چلتے رہے یہانتک کہ اُن لوگوں کے پاس ایسے وقت پہونچ گئے کہ رات کا کسی قدر حصّہ باقی رہ گیا تھا۔ اُدھر مالک ابن عوف اپنی قوم سے یہ کہہ رہا تھا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اہل وعیال اور اپنے مال کو پس پشت رکھے اور تم سب لوگ اپنی اپنی تلواروں کے میان توڑ دو اور اس میدان کے نشیبی مقاموں اور درختوں میں چھپ کے بیٹھ جاؤ جیسے ہی پو پھٹے اندھیرے اندھیرے اُن پر ایک دم حملہ کر دینا اس لئے کہ محمدؐ کو اب تک کسی ایسے سے پالا ہی نہیں پڑا ہے جو لڑائی کے محل اور موقعہ کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔
ی کہتا ہے کہ جب آنحضرتؐ صبح کی نماز پڑھ چکے تو وادیٔ حنین کے نشیب میں چلے اور اس وادی میں نشیب بہت ہے۔ قبیلہ بنو سلیم آنحضرتؐ کے مقدمہ پر تھا اُن پر قبیلہ ہوازن کے دستے کے دستے ہر طرف سے نکلے۔ اور بنو سلیم شکست کھا کر بھاگے اور جو اُن کے پیچھے تھے وہ بھی بھاگے سوائے جناب امیرؑ المومنین اور اُنکے چند ساتھیوں کے جو کفار سے لڑتے رہے اور کوئی بھی بھاگنے سے نہ بچا (سب پر طرّہ یہ ہے کہ) بھاگنے والے آنحضرتؐ کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

آنحضرتؐ کی سواری کے خچر کی لگام دائیں طرف سے تو حضرت عباس ابن عبدالمطلب تھامے ہوئے تھے اور بائیں طرف سے ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب اور جناب رسولؐ خدا برابر آوازدے رہے تھے کہ اے گروہ انصار! تم بھاگے کہاں جاتے ہو میں اللہ کا رسول موجود ہوں مگر کوئی پیچھا پھیر کے نہ دیکھتا تھا۔ نسیبہ بنت کعب مازنیہ ان بھاگنے والوں کے منہ پر خاک جھونکتی تھی اور کہتی تھی (کہ مونڈی کاٹو) تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگے کہاں جاتے ہو؟ عمر ابن الخطاب بھی اُسکے پاس سے گزرا۔ کہنے لگی خدا تیرا کھوج کھودے یہ تو نے آج کیا کیا؟ آپ فرماتے کیا ہیں کہ ابھی اللہ کا منشاء یہی ہے۔ جب آنحضرتؐ نے ہزیمت کی یہ حالت دیکھی تو حضرت علیؑ کی طرف جانے کے لئے اپنے خچر کو ایڑ لگائی اور اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور ارشاد فرمایا کہ اے عباسؓ! تم اس بلندی پر چڑھ جاؤ اور آواز دو کہ اے اصحاب البقرہ اور اے اصحاب الشجرہ تم بھاگے کہاں جاتے ہو؟ جناب رسولؐ خدا تو یہ موجود ہیں (چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس حکم کی تعمیل کی) اور جناب رسولؐ خدا نے اپنا دستِ مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کی اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ اِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ۔ (ترجمہ یا اللہ! ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لئے زیبا ہے اور شکایت بھی تجھی سے کرتا ہوں اور مدد بھی تجھی سے طلب کرتا ہوں) جبرئیلؑ امین اُسی وقت نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ! آپ نے تو اُنہی لفظوں میں دعا مانگی جن لفظوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت دعا مانگی تھی جبکہ اللہ نے اُنکے واسطے دریا کو پھاڑ دیا تھا اور فرعون کے پنجے میں آجانے سے اُن کو بچا لیا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے ابوسفیان ابن حارث سے فرمایا کہ مجھے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر دیدو۔ چنانچہ انہوں نے مٹھی بھر کر دیدی اور آنحضرتؐ نے مشرکین کے منہ پر ماری اور یہ الفاظ فرمائے۔ شَاھَتِ الْوُجُوْہُ (بگڑ جائیں یہ چہرے) پھر سرِ مبارک آسمان کی طرف بلند کرکے ارشاد فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَمْ تُعْبَدْ وَ اِنْ شِئْتَ اَنْ لَّا تُعْبَدَ لَا تُعْبَدُ (ترجمہ یا اللہ! اگر تو نے اس گروہ کو ہلاک کردیا تو پھر کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی اور اگر خود تجھی کو یہ منظور ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو نہ کی جائے) گروہِ انصار نے جب حضرت عباسؓ کی آواز سُنی تو پلٹ پڑے اور اپنی تلواروں کے میان توڑ دیے اور یہ آوازیں دیتے چلے آتے تھے۔ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ حاضر حاضر! جناب رسولؐ خدا کے پاس سے گزرے تو شرم کے مارے حضرتؐ کو منہ نہیں دکھلایا بلکہ عَلم کے نیچے جمع ہوگئے جناب رسولؐ خدا نے عباسؓ سے دریافت کیا کہ اے ابوالفضل! یہ کون لوگ ہیں؟ اُنہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ انصار ہیں حضرتؐ نے فرمایا کہ اب آتشِ جنگ شعلہ ور ہوئی چنانچہ اُسی وقت آسمان سے مدد نازل ہوئی اور قبیلہ ہوازن کو شکست ہوئی وہ فضائے آسمانی میں ہتھیاروں کی جھنکار برابر سُنتے تھے اور ہر طرف کو بھاگ نکلے اور خدا نے اُنکے مال اُن کی عورتیں اور اُن کے بچے سب غنیمت میں جناب رسولؐ خدا کو عطا فرمائے اور خدا تعالےٰ کے اس قول لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ کا مطلب یہی ہے۔ اور روایت

ابو الجارود میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے خدا تعالےٰ کے اس قول کی تفسیر ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (اس سے مراد اُن کا قتل ہے) وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ میں منقول ہے کہ قبیلۂ نضر ابن معاویہ کے ایک شخص نے جس کا نام شجرہ ابن ربیعہ تھا اور وہ مسلمانوں کے پاس قید تھا مسلمانوں سے کہا کہ وہ ابلق گھوڑیاں اور وہ سوار جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے کہاں ہیں؟ انہی کے ہاتھوں سے ہم قتل ہوئے ہیں حالانکہ اُس جگہ ہم نے تم کو نہایت حقیر سمجھا تھا۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ وہ ملائکہ تھے (جن کو خدا نے اپنے رسولؐ کی مدد کیلئے بھیجا تھا) کافی میں ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے کسی نے سکینۃ کے معنی پوچھے حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ جنت کی ہوا تھی جس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی صورت اسکی آدمی کی سی تھی اُس کو خدا تعالےٰ نے جنگِ حُنین میں اپنے رسولؐ کے پاس بھیجا جس نے مشرکوں کو شکست دیکر میدانِ کارزار سے بھگا دیا۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۲ متعلق صفحہ ۳۰۴

کافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ علل الشرائع اور التہذیب میں ہے کہ کسی نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ (یا ابن رسول اللہ) عورتوں سے جزیہ کیوں ساقط ہوا؟ (یعنی جزیہ کا حکم اُن سے کس لئے اٹھا دیا گیا) حضرتؑ نے فرمایا بات یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دار الحرب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے عموماً منع فرما دیا ہے۔ صرف اُس وقت اجازت دی ہے جبکہ وہ (مردوں کے ہمراہ ہو کر مسلمانوں سے) لڑیں۔ اس پر بھی اگر کوئی حرج نہ ہو تو جہاں تک ہوسکے طرح دیجائے پس جبکہ دار الحرب میں عورتوں کا قتل جائز نہ ہو تو دار السلام میں بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا پس اگر عورتوں پر جزیہ قرار دیا جاتا اور (وہ جزیہ نہ دیتیں تو بھی تو اُن کا قتل جائز نہ ہوتا۔ بس جبکہ اُنکا قتل کرنا ممکن نہ تھا تو جزیہ کا حکم بھی اُن سے برطرف کر دیا گیا۔ ہاں اگر مرد جزیہ دینے سے انکار کریں تو عہد شکنی کی وجہ سے اُنکا خون مباح اور اُنکا قتل حلال ہے اس لئے مردوں کا قتل دار الحرب میں بھی مباح ہے اب رہے اپاہج مشرکین اور کفار اور اندھے اور بعید بوڑھے اور بچے ان سے بھی عورتوں کی طرح جزیہ نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ دار الحرب میں اُن کا قتل بھی جائز نہیں ہے اس لئے ان سے بھی جزیہ برطرف کیا گیا۔ نیز جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حنین کے دن چالیس کافروں کو اپنے دستِ مبارک سے قتل فرمایا۔ کافی اور من لا یحضرہ الفقیہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ طریقہ یہی قرار پایا ہے کہ کم عقلوں اور پاگلوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔ نیز مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں اور تفسیرِ عیاشی و تفسیرِ قمی میں اُنہی حضرتؑ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے مولا جزیہ کی حد کیا ہے؟ اہلِ کتاب سے کتنا جزیہ لیا جائے؟ آیا جزیہ کی کوئی مقدار معین کر دی گئی ہے جس سے زیادہ لینا اور تجاوز کرنا جائز نہیں۔ حضرتؑ نے

؎ اس کے متعلق دیکھو قرآن مجید مترجم کا صفحہ ۳۶۳ نوٹ نمبر ۳۔

جواب دیا کہ جزیہ کا تعین کرنا امام زمانہ کی مصلحت پر موقوف ہے کہ وہ ہر شخص سے اُسکی حیثیت اور مالیت کے موافق جتنا چاہے لے لیا کرے کیونکہ اہلِ کتاب نے جزیہ دیکر اپنی جانوں کو غلام بننے سے اور اپنے آپ کو قتل ہونے سے بچا لیا ہے لہذا جزیہ اُن کی استطاعت بھر اُن سے لیا جائیگا یہاں تک کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (دیکھو صفحہ ۳۰۴ سطر ۲) پس وہ شخص ذلیل و خوار کیسے ہو سکتا ہے جو اپنے مال کی پروا نہ کرے اگرچہ کتنا ہی اُس سے لے لیا جائے مگر جبکہ جزیہ دینے میں اُسے ذلت حاصل ہوگی تو تنگ آکر اسلام لے آئیگا۔ کافی اور من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے۔ کہ جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اے مولا! آیا اہل جزیہ سے سوائے جزیہ کے اُن کے مال اور اُن کے مویشی میں سے کچھ اور بھی لینا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ تفسیر برہان میں ہے کہ محمد بن مسلم نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اہلِ کتاب کو کیا کرنا چاہیئے جس سے اُن کا مال اور اُن کی جانیں محفوظ رہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ وہ لوگ خراج (محصول) ادا کیا کریں۔ پس اگر اُنکے راس المال سے جزیہ لیا جائے تو پھر اُن کی زمینوں سے کچھ نہ لیا جائے اور اگر زمینوں سے محصول لے لیا جائے تو پھر اُنکے راس المال کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۴ متعلق صفحہ ۳۰۴

تفسیر برہان میں ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار سے اُنہوں نے اپنے والد ماجد سے اُن جناب نے اپنے پدر بزرگوار سید الشہداء جناب امام حسین ابن علی علیہما السلام سے اور اُن حضرت نے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب صلوات اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ایکدن جناب رسولِ خدا کی خدمت میں پانچ مذہب کے لوگ جمع ہوئے۔ یہود۔ نصارےٰ۔ دہریہ۔ ثنویہ اور مشرکین عرب۔ یہود نے کہا ہم لوگ عزیز کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ ہم آپکے پاس اس لئے آتے ہیں کہ دیکھیں آپ کیا فرماتے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری متابعت کی تو بہتر ہے۔ ہم پہلے ہی سے حق پر ہیں اور اس طرح آپ سے افضل ہیں اور اگر آپ ہماری مخالفت کرینگے تو ہم آپ سے جھگڑینگے۔ نصارےٰ بولے کہ ہم لوگ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں کہ اللہ نے اُنکو اپنا بیٹا بنایا ہے۔ ہم آپکے پاس اس لئے آئے ہیں کہ دیکھیں آپ کیا کہتے ہیں۔ اگر آپ ہماری پیروی کریں تو بہت اچھا ہے کہ ہم راہِ صواب پر ہیں اور آپ سے بہتر ہیں۔ اور اگر آپ ہماری مخالفت کریں گے تو ہم آپ سے جھگڑینگے۔ پھر دہریے آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تمام چیزیں ازلی ہیں اِن کے لئے کوئی ابتدا نہیں ہم لوگ آپ سے مباحثہ کے لئے آئے ہیں کہ دیکھیں آپ اس مسئلہ کا کیا جواب دیتے ہیں اگر آپ ہمارے پیرو ہیں تو خوب ہے ہم حق پر ہیں اور آپ سے افضل ہیں اور اگر آپ ہماری مخالفت کرینگے تو ہمارا آپ کا جھگڑا ہوگا۔ پھر ثنویہ بولے کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ نور و ظلمت تمام دنیا کے مدبّر ہیں اور یہی دونوں خالق ہیں۔ ہم لوگ آپ سے بحث کرنے آئے ہیں کہ

دیکھیں آپ ہم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے مطیع ہو گئے تو بہت اچھا کہ ہمارا دعویٰ برحق ہے۔ اور آپ پر ہم کو فضیلت حاصل ہے اور اگر آپ ہماری مخالفت کرینگے تو ہماری آپ سے لڑائی ہو گی۔ پھر مشرکین عرب نے کہا کہ ہمارا قول یہ ہے کہ یہ بُت ہمارے معبود ہیں ہم آپ سے بحث کرنے آئے ہیں کہ دیکھیں آپ کیا کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہماری پیروی اختیار کرلی تو یہ حق بجانب ہے کہ ہم لوگ آپ سے زیادہ حقدار اور افضل ہیں اور اگر آپ نے ہم سے مخالفت کی تو ہمارا آپ کا جھگڑا ہوگا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں (کہ ان سب کے دعوے سُنکر) جناب رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لایا ہوں اور اُس کے سوا تمام معبُودوں کا میں انکار کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف (اُنکی ہدایت کے لئے) بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور میں سارے عالم پر خدا کی رحمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی چال کو جو دین میں اُس کے ساتھ چلیگا اُسی کے گلے کا ہار کردیگا۔ پھر یہود کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا تم لوگ میرے پاس اس لئے آئے ہو کہ میں تمہاری بات بغیر دلیل کے مان لوں؟ یہود نے جواب دیا کہ ہماری غرض یہ تو نہیں ہے کہ آپ ہمارے دعوے کو خواہ مخواہ تسلیم کرلیں۔ جناب رسُول خدا نے فرمایا کہ اچھا تو پھر تم لوگ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کس وجہ سے کہتے ہو؟ یہود نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ نے توریت کو اُس کے ناپید ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور بنی اسرائیل کے سامنے لائے۔ اس کا باعث بس یہی تھا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر بات اتنی ہی ہے تو حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے کیسے ہو گئے؟ (اس حساب سے تو) حضرت موسےٰؑ کو خدا کا بیٹا ہونا چاہیئے تھا کہ وہ توریت کو پہلے پہل لائے اور اُنہوں نے تم کو وہ معجزات و عجائبات دکھائے جو تمہیں معلوم ہیں۔ اور اگر عزیرؑ اس لئے خدا کے بیٹے ہیں کہ اُنکی بزرگی توریت کو دوبارہ موجود کرنے سے ظاہر ہوئی تو اِس بناء پر بھی موسےٰؑ خدا کا بیٹا ہونے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اگر اتنی سی بزرگی نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنادیا تو حضرت موسےٰؑ کو اس کرامت و بزرگی سے چند در چند بزرگی حاصل تھی جس کے سبب سے حضرت موسےٰؑ کو وہ اعلیٰ مرتبہ مِلنا چاہیئے جو فرزندی سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ اور اگر حضرت عزیرؑ کو تم لوگ خدا کا بیٹا اس طور سے بتاتے ہو کہ عزیرؑ خدا سے پیدا ہوئے ہیں جس طرح کہ بچے ماں کے پیٹ سے اور باپ کے نطفہ سے دنیا میں پیدا ہوا کرتے ہیں تو اِس اعتقاد سے تم لوگ کافر ہو گئے کہ خدا کو تم نے مخلوق کا مشابہ قرار دیا اور مخلوق کی صفتیں تم نے خالق میں مان لیں اور اس حساب سے خود خدا تعالےٰ تمہارے گمان میں مخلوق اور حادث ہو گیا۔ پھر اُس کے لئے بھی کسی اور خالق اور صانع کی ضرورت پڑے گی جس نے اس خدا کو پیدا کیا اور ایجاد کیا ہو۔ یہود بولے کہ یہ تو ہم ہرگز نہیں کہتے ہیں نہ یہ ہمارا مقصود ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بیشک یہ عقیدہ موجبِ کفر ہے۔ بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ بوجہ کرامت خدا کے فرزند ہیں۔ اگرچہ ولادت کا واسطہ اُن میں اور خدا میں نہ ہو۔ دیکھئے ہمارے بعض علماء شخصِ اجنبی سے

جس کا اکرام اُن کو مدِنظر ہوتا ہے اور اُس کا مرتبہ دکھانا مقصود ہوتا ہے۔ بسا اوقات اسے فرزند کہکر خطاب کیا کرتے ہیں حالانکہ ولادت کا تعلق اُس شخص سے نہیں ہوتا اور نہ اُن دونوں میں باہم کوئی قرابت نسبی ہوتی ہے۔ تسپر بھی وہ فرزند کہلاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ نے حضرت عزیزؑ کو بزرگی عطا فرمائی اور اُنہیں اپنا بیٹا بنا لیا یہ فرزندی کرامت کے لحاظ سے ہے اس لئے نہیں ہے کہ حضرت عزیزؑ کی ولادت خدا سے ہوئی ہو۔ جنابِ رسُول خدا نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی تم سے کہہ چکا کہ اِس دلیل سے تو حضرت موسیٰؑ کے لئے مرتبۂ نبوت اور منزلتِ فرزندی اولےٰ ہے (حضرت عزیزؑ کا فرزند ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا) خداوند عالم بہت جلد ہر باطل پرست کو اُسی کے اقرار سے رُسوا کرتا ہے اور اُسکی دلیل کو اُسی پر لوٹ دیتا ہے۔ تم نے جو دلیل بیان کی ہے یہ تم کو ایسی خرابی کی طرف لیجائے گی جو اُس خرابی سے بدتر ہوگی جس کو میں نے تم سے (پیشتر) بیان کیا ہے (دیکھو) تمہارا مقولہ یہی ہے نا کہ ہمارا عالم کسی شخص سے جس سے رشتہ ناطہ نہ ہو یَا بُنَيَّ (اے فرزند) کہکر بات کرتا ہے اور کسی سے هٰذَا ابْنِي (یہ میرا بیٹا ہے) کہدیا کرتا ہے۔ اسی طرح تم نے اُس عالم کو کسی اجنبی سے یہ بھی کہتے سُنا ہوگا هٰذَا اَخِي (یہ میرا بھائی ہے) کسی سے وہ کہتا ہوگا۔ هٰذَا شَيْخِي (یہ میرا بزرگ ہے) اور کسی سے اُسکی آبرو بڑھانے کے لئے يَا سَيِّدِي (اے میرے سردار) یا هٰذَا سَيِّدِي (یہ میرا سردار ہے) کہتے بھی سُنا ہوگا بلکہ جتنی جتنی اُسکی بزرگی مدنظر ہوگی اُتنے ہی اُتنے شایستہ الفاظ اُسکی نسبت زبان پر آتے ہونگے۔ پس چونکہ حضرت موسیٰؑ کا مرتبہ حضرت عزیزؑ سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ حضرت موسیٰؑ کو خدا کا بھائی یا اُس کا بزرگ یا اُس کا باپ یا اُس کا سردار کہا کرو۔ جس طرح (خدا نے تمہارے خیال کے بموجب) حضرت عزیزؑ کو اُن کا مرتبہ بڑھانے کے لئے يَا بُنَيَّ فرمایا تو حضرت موسیٰؑ سے (جو کہ حضرت عزیزؑ سے افضل ہیں) اُن کا رتبہ بڑھانے کے لئے يَا سَيِّدِي۔ يَا شَيْخِي۔ يَا عَمِّي۔ يَا رَئِيْسِي۔ يَا اَمِيْرِي فرمایا ہوگا نا؟ پس یہ جواب سُنکر یہود تو مبہوت اور متحیّر ہوگئے اور کہنے لگے کہ اے محمدؐ ہمیں کچھ مہلت دو کہ ہم آپکے ارشاد کیئے ہوئے مضامین میں غور و فکر کرلیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا تم لوگ اپنے دِلوں میں انصاف کو جگہ دیکے سوچ لو خدا تم کو راہِ راست پر لائے۔

پھر جنابِ رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم نصارےٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے جو یہ کہا ہے کہ خدائے قدیم نے مسیحؑ کو اپنا بیٹا بنایا تو اِس کلام سے تمہارا مقصود کیا ہے؟ آیا یہ مطلب ہے کہ خدائے قدیم حضرت عیسےٰؑ کی صورت میں ظاہر ہوکر حادث بن گیا؟ یا حضرت عیسےٰؑ جن کا وجود حادث ہے خدا کا مظہر بننے سے قدیم ہوگئے؟ یا تمہارے اِس قول کا حضرت عیسےٰؑ کو خدا نے بیٹا بنا لیا یہ مطلب ہے کہ خدا نے حضرت عیسےٰؑ کو ایسی کرامت سے خصوصیت بخشی جو اور کسی کو عطا نہ فرمائی تھی جس کی وجہ سے خود خدا تعالےٰ (حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ) حادث ہوگیا؟ یہ تو تمہارا دعوےٰ باطل ہے اس لئے کہ قدیم کا حادث کی صورت میں بدل جانا محال ہے اور نہ یہی ہوسکتا ہے کہ حادث چیز بدلکر قدیم بن جائے۔ اور اگر تمہاری مُراد یہ ہے کہ

کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اس معنی میں بیٹا بنایا کہ اُن کو خصوصیت بخشی تھی اور تمام بندوں پر اُن کو بزرگی عطا فرمائی تھی تو اس بیان سے تم حضرت عیسیٰؑ کے حادث ہونے کے قائل ہو گئے اور وہ چیز بھی حادث ہو گئی جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا بیٹا بنایا اس لئے کہ جب حضرت عیسیٰؑ خود حادث ٹھیرے اور خدا تعالیٰ نے اُن کو بیٹا بنانا چاہا تو اُن میں وہ صفت پیدا کر دی جس سے وہ خدا کے نزدیک تمام مخلوق سے بڑھ گئے۔ اس صورت میں خود حضرت عیسیٰؑ بھی حادث ٹھیرے اور وہ صفت بھی حادث ٹھیری حالانکہ یہ تمہارے دعوے کے خلاف ہے۔ نصاریٰ نے کہا کہ اے محمدؐ بات یہ ہے کہ جب خدا نے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ سے امور عجیبہ ظاہر کئے تو اُن کو بوجہ کرامت اپنا بیٹا بنا لیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اس کا جواب تو میں نے یہود کو جو دیا ہے وہ تم سب نے سن ہی لیا۔ پھر جناب رسولِ خدا نے اُس تقریر کو اُن کے لئے دُہرایا۔ اور سب تو خاموش ہو رہے مگر اُن میں سے ایک بولا کہ آپ بھی تو حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کہتے ہیں۔ پھر ہمیں حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہنے سے روکتے ہیں؟ جناب رسولِ خدا نے جواب دیا کہ ہم جو حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کہتے ہیں وہ تمہارے قول ابن اللہ کے مشابہ نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے قول ابراہیم خلیل اللہ میں لفظ خلیل خَلَّۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فقر و فاقہ۔ پس خلیل اللہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ صرف خدا کے محتاج تھے کسی اور کے حاجتمند نہ تھے اُن کو خدا پر پُورا پُورا بھروسہ تھا۔ تمام مخلوق سے منہ پھرا کے وہ ہمہ تن خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے توکل کو عملی صورت میں لا کر دکھا دیا اور مخلوق سے اپنے بے پروا ہونے کا پورا پورا ثبوت اُس وقت دے دیا جبکہ نمرود مردود نے اُنکو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھنکوایا تو خدائے تعالیٰ نے جبرئیلؑ امین کو اُن کے پاس بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیلؑ بہت جلد میرے بندہ کے پاس پہنچ۔ جبرئیلؑ امین ٹھیک ایسے وقت حاضر ہوئے کہ وہ حضرتؑ ابھی ہوا ہی ہوا میں اُڑے جا رہے تھے اور عرض کرنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے آپ کی نصرت کے لئے بھیجا ہے جو حاجت ہو بیان فرمایئے کہ میں اُسے پورا کروں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میرا اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہی سب سے اچھا کارساز ہے۔ میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے سوال کرنا پسند نہیں کرتا اب مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں) اُسی دن سے حضرت ابراہیمؑ کو جناب احدیت سے خلیل اللہ کا خطاب مرحمت ہوا یعنی جناب ابراہیمؑ خاص الخاص خدا تعالیٰ سے غرض رکھنے والے اور صرف اُسی کی حضور میں اپنی حاجت پیش کرنے والے تھے۔ اور اگر اسکے معنی خُلَّۃ سے لئے جائیں تو اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوست تھے باطن سے واقف اور اُس کے ایسے رازوں کا رازدار جن سے کوئی دوسرا واقف نہو اور اسکی ذات سے اور اُس کے معاملات سے پورا پورا آگاہ۔ تو یہ معنی موزوں اور زیبا نہیں ہیں کیونکہ یہ خدا کو اُسکی مخلوق سے مشابہ کر دیتے ہیں۔ آیا تم یہ نہیں سمجھے کہ جب تک کوئی بندہ اُس پر پورا پورا بھروسہ نہ کرے تو وہ خُلَّۃ سے جو خلیل مشتق ہے وہ خلیل نہیں ہو سکتا اور جب تک کوئی پورا پورا اُس کے اسرار سے واقف

نہ ہو تو وہ خُلّۃ سے جو خلیل مشتق ہے وہ خلیل نہیں ہو سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ جو شخص از روئے ولادت کسی کا بیٹا ہو تو خواہ وہ اپنے بیٹے کو حد سے زیادہ ذلیل کرے خواہ اُس کا رتبہ حد سے بڑھا دے بہرحال وہ اُس کے بیٹا ہونے سے خارج نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلقِ ولادت اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے پھر اگر محض اس بنا پر کہ خدا تعالےٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل فرمایا ہے قیاس کر کے عیسےٰؑ کو ابن اللہ کہنا تمہارے نزدیک ضروری ہے تو اسی طرح موسےٰؑ کو بھی ابن اللہ کہو۔ بلکہ ایک اعتبار سے موسےٰ کو شیخ اللہ۔ عم اللہ۔ سید اللہ رئیس اللہ۔ امیر اللہ تمکو کہنا چاہیئے جیسا کہ میں ابھی یہود سے بیان کر چکا ہوں اس لئے کہ حضرت موسےٰ کو خدا کی درگاہ سے اُن معجزات کے علاوہ جو حضرت عیسےٰؑ کو عطا ہوئے اور بھی معجزات مرحمت ہوئے تھے (یہ سُنکر) ایک نصرانی بولا اچھا یہ تو بتلایئے کہ خدا کی طرف سے آنیوالی کتابوں میں کیوں لکھا ہوا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اپنے باپ کے پاس جانیوالا ہوں؟ (اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسےٰ خدا کے فرزند تھے) جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس کتاب پر عمل کرتے ہو تو اُس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسےٰ نے یہ بھی فرمایا۔ رَبِّي وَ رَبُّكُمْ وَ اَبِي وَ اَبُوكُمْ (وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور وہ میرا بھی باپ ہے اور تم سب کا بھی باپ ہے) تو اس بنا پر یہ کہو کہ وہ لوگ جن سے حضرت عیسےٰ نے خطاب کیا تھا سب کے سب خدا کے بیٹے ہو گئے۔ دلیل وہی ہے جو تم حضرت عیسےٰ کے خدا کا بیٹا ہونے پر لائے ہو اب تم اُن سب لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا کرو۔ اور تم نے جو کتاب خدا سے حضرت عیسےٰ کے ابن اللہ ہونے کی سند پیش کی ہے وہ اُلٹی تم پر پڑتی ہے۔ جس سے تمہارا دعوےٰ باطل ٹھیرتا ہے کیونکہ تمہارا خیال یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ ایک خصوصیت خاص کی وجہ سے خدا کے بیٹے تھے اور تم ابھی کہہ چکے ہو کہ وہ خدا کے بیٹے اس اختصاص کی وجہ سے تھے جو کسی اَور کو حاصل نہ تھا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ جو بات حضرت عیسےٰ کو خدا سے ملی تھی وہ اُن لوگوں کو نصیب نہیں ہوئی تھی جن سے حضرت عیسےٰ نے اَذْهَبُ اِلٰى اَبِي وَ اَبِيكُمْ فرمایا تھا لہذا یہ قول تمہارا باطل ہوا کہ حضرت عیسےٰؑ کو خدا سے بیٹا ہونیکی کوئی خصوصیت ہو کیونکہ تمہارے نزدیک خود حضرت عیسےٰ ہی کے قول سے یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عیسےٰ خطاب فرما رہے تھے اُن کو حضرت عیسےٰ کی سی خصوصیت حاصل نہ تھی (حالانکہ خطاب میں اُنکی نسبت بھی وہی لفظ فرمایا کہ جو اپنی نسبت فرمایا) حقیقتِ حال یہ ہے کہ لفظ تو تم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لے لیا اور تاویل اُنکی بیجا بیان کی۔ اس لئے کہ جب اُن حضرتؑ نے اَبِي وَ اَبِيكُمْ فرمایا تو اُنکی مراد وہ نہ تھی جو تم نے لی اور سمجھی بھلا تم کیا جانو شاید اُنکی مراد ان لفظوں کے فرمانے سے کہ "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے پاس جاتا ہوں" حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ ہوں اور غرض یہ ہو کہ خدا تعالےٰ مجھے اس زمین سے اُٹھائے لیتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچائے دیتا ہے جو میرے بھی باپ ہیں اور تمہارے بھی باپ ہیں اور یہی حالت حضرت نوح علیہ السلام کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کی مراد اسکے سوا دوسری

تھی ہی نہیں۔ امام علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ نصاریٰ یہ سُنکر چُپ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو آپ کا سا جھگڑنیوالا اور بحث کرنیوالا دیکھا نہیں۔ اب ہم اپنے معاملات میں غور و فکر کرینگے۔ پھر جنابِ رسُولِ خدا دہریوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ بھلا تمہارے اِس دعوے پر کہ دنیاوی چیزوں کی ابتدا ہی نہیں ہے یہ ہمیشہ سے تھیں اور ہمیشہ رہینگی دلیل کیا ہے؟ دہریوں نے جواب دیا کہ ہم بغیر مشاہدہ کوئی حکم نہیں لگاتے اور ہم نے اشیائے عالم کی ابتدا نہیں دیکھی لہذا سمجھ لیا کہ ان چیزوں کے لئے آغاز ہی نہیں ہے اور ادھر چونکہ ہم نے ان چیزوں کو فنا اور ختم ہوتے نہیں پایا۔ اس سے جان لیا کہ اِن کے واسطے انتہا بھی نہیں ہے۔ جنابِ رسُولِ خدا نے فرمایا کیا تم لوگ ہمیشہ سے اس عالم کی قدامت کو مشاہدہ کر رہے ہو اور برابر اسکی بقا کو دیکھتے رہو گے؟ اگر تم یہ کہو کہ ہاں ایسا ہی ہے تو میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی آگئی ہے کہ تمہاری ہیئت تمہاری عقلیں برابر ہمیشہ سے ایک ہی حالت پر ہیں اور اسی طرح ہمیشہ باقی رہینگی۔ پس اگر تم یہ کہنے لگو گے تو یہ تمہارا دعویٰ مشاہدہ کے خلاف ہوگا اور دنیا کے جو لوگ تم کو (ابتدائے پیدائش سے) دیکھتے رہے ہیں وہ تم کو جھٹلائینگے۔ سب کے سب کہنے لگے ہاں بیشک کسی چیز کی قدامت اور بقائے ابدی تو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا پھر تم نے یہ حکم کیسے لگا دیا کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہینگی جبکہ تم نے مشاہدہ نہیں کیا اور تم تمیز نہیں کر سکتے تو بہتر یہی ہے کہ تم ان چیزوں کے حدوث اور فنا کے قائل ہو جاؤ۔ کیونکہ جس نے مثل تمہارے انکی قدامت اور بقائے ابدی نہیں دیکھی ہے وہ تو انکو حادث اور فانی ہی سمجھیگا۔ کیا تم لوگ دن اور رات کیطرف نظر نہیں کرتے کہ اُن میں سے ایک کے بعد ایک آتا جاتا ہے۔ سب نے کہا بیشک ہم دیکھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان دونوں کے بارے میں تمہاری رائے یہی ہوگی نا کہ یہ دونوں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہینگے؟ دہریوں نے کہا بیشک۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تو اس بنا پر تمہارے نزدیک یہ دونوں ساتھ ہی ساتھ شروع ہو سکتے ہیں؟ سب نے کہا نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر ساتھ ساتھ شروع نہیں ہو سکتے تو ایک کا ختم ہوا ہوگا تب دوسرے کی ابتدا ہوئی ہوگی ایک پہلے سے آیا ہوگا اور دوسرا اُس کے بعد شروع ہوا ہوگا۔ سب نے کہا ایسا ہی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بس تو تم نے خود ہی اپنی زبان سے مقدم اور سابق پر خواہ دن ہو یا رات حدوث کا حکم لگا دیا۔ حالانکہ تم نے اپنی آنکھ سے انکا حدوث نہیں دیکھا تھا۔ سو اب تم کو خدا کی قدرت کا انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا اب تم دن اور رات میں سے ایک کو مقدم فرض کر کے بتاؤ کہ وہ متناہی ہے یا غیر متناہی؟ اگر تم اُس کو غیر متناہی کہو تو دوسرا اُس تک کیسے پہنچ گیا حالانکہ پہلا ابھی ختم نہیں ہوا اور اگر تم اُس کو متناہی مانو تو دوسرے کا حدوث اور پہلے کا ختم ثابت ہو گیا۔ سب نے جواب دیا کہ ہے تو ایسا ہی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہاری سمجھ کے بموجب یہ عالم قدیم ہے حادث تو نہیں ہے مگر اِس مضمون کا تم ایک معنی میں اقرار کر چکے ہو اور ایک معنی میں انکار کر چکے ہو۔ سب نے عرض کی بیشک۔ تب جنابِ رسُولِ خدا نے فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں

بعض چیزیں ایسی ہیں جو دوسری چیزوں کی محتاج ہیں جبتک وہ اُن سے نہ ملائی جائیں وجود اور قیام اُنکا نہیں ہوسکتا مثلاً مکان ہی کو دیکھئے کہ اُس کے بعض اجزاء بعض کے محتاج ہیں جبتک وہ سب نہ ہوں مکان نہیں بن سکتا اور نہ وہ مضبوط اور مستحکم ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عالم کی تمام چیزوں کو آپس میں ایک کو دوسرے کا محتاج پاتے ہو پس جبکہ یہ عالم جس کا بعض حصہ ضعیف دوسرے حصہ قوی کا محتاج ہے۔ تمہارے نزدیک قدیم ہے تو اب بتاؤ کہ اگر عالم حادث ہوتا تو وہ کیسا ہوتا اور اُس کی کیا صفت ہوتی؟ یہ سُنکر وہ سب کے سب مبہوت ہوگئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ جو صفت حادث کی ہونی چاہیئے یعنی احتیاج وہ اس عالم کے کُل اجزا میں موجود ہے جسے ہم قدیم سمجھے ہوئے ہیں پس کچھ جواب نہ بن پڑا اور کہا ہم اس میں غور کریں تب آپ سے بات چیت کرینگے پھر جناب رسُولِ خدا ثنویہ فرقہ کی طرف ملتفت ہوئے جنہوں نے یہ دعوےٰ کیا تھا کہ نور اور ظلمت دونوں مدبّر ہیں اور فرمایا تم لوگ نور و ظلمت کو کس دلیل سے مدبّرِ عالم مانتے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ بات یہ ہے کہ ہم نے عالم کو دو طرح پر پایا۔ خیر اور شر۔ اور پھر خیر و شر کو آپس میں ایک دوسرے کی ضد پایا۔ پس ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ فاعل ایک ہو پھر وہ ایک کام بھی کرے اور اُسکی ضد بھی بلکہ لازم یہ ہے کہ ہر ایک فاعل جداگانہ ہو۔ کیا آپ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ برف ٹھنڈا ہے مگر ممکن نہیں کہ برف کی ہیئت باقی رہے اور گرم ہوجائے۔ اسی طرح آگ گرم ہے تو محال ہے کہ وہ آگ باقی رہکر ٹھنڈک پہنچائے۔ اس سے ہم نے ان میں سے ہر ایک کے لئے جُدا جُدا دو صانع قدیم کہ وہ نور اور ظلمت ہیں مان لئے۔ جنابِ رسُولِ خدا نے اُن سے فرمایا کہ آیا تم سیاہی سفیدی۔ سُرخی۔ زردی اور سبزی نہیں پاتے اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان میں سے ہر ایک اور سب کی ضد واقع ہوا ہے کہ ان میں سے کوئی دو ایک جگہ جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ جیسے کہ گرمی اور سردی ایک دوسری کی ضد ہیں اور ایک جگہ میں اُنکا اکٹھا ہوجانا محال ہے۔ سب نے عرض کی بیشک ہے تو ایسا ہی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تو آیا تم نے ہر ہر رنگ کے لئے ایک ایک صانع قدیم تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ان مختلف رنگوں میں سے کسی ایک کا تو فاعل ہو اور جو دوسرے رنگ اُسکی ضد آنکر پڑے ہیں اُن کا فاعل نہ ہو۔ اب تو وہ سب چُپ رہ گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بھلا اس نور اور ظلمت میں اتفاق کیونکر ہوا؟ حالانکہ ایک بالطبع بلندی کی طرف مائل ہے اور دوسرا پستی کی طرف۔ کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے کہ ایک شخص تو مشرق کی طرف رُخ کرکے چلنا شروع کرے اور دوسرا مغرب کی طرف اور دونوں اپنی اپنی سیدھ پر چلتے بھی رہیں تو آیا کبھی ان کی مٹ بھیڑ ہوگی؟ سب نے کہا کبھی نہیں۔ فرمایا تو اس سے تم کو ماننا لازم ہوگیا کہ نور اور ظلمت کبھی مِل ہی نہیں سکتے پھر یہ عالم ایسوں کے میل سے کیونکر پیدا ہوگیا جن کا ملنا ہی محال ہے؟ بجائے اس کے کہ یہ دونوں تمام عالم کے مدبّر اور خالق ہوتے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں کے دونوں مخلوق ہیں اور کوئی ایسا مدبّر موجود ہے جو ان دونوں کی بھی تدبیر کرتا ہے۔ اب تو وہ سب (گھبرا کر) بولے۔ ہم اپنے معاملہ (اعتقاد) میں غور کرینگے۔

؎ قدیم فزیکل جیوگرفی (جغرافیہ طبعی) کے مطابق ہے اور کلّموا النّاس علیٰ قدرِ عقولھم کے ماتحت ۱۲

پھر جناب رسولِ خدا مشرکین عرب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بھلا تم لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے عرض کی صرف اس لئے کہ اس ذریعہ سے ہم خدا کا تقرب حاصل کریں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آیا یہ بت اپنے پروردگار کا حکم سنتے۔ اس کے احکام کی اطاعت کرتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں کہ تم ان کی تعظیم کرنے کے سبب سے خدا کا تقرب حاصل کر لو گے؟ انہوں نے عرض کی ایسا تو نہیں ہے۔ فرمایا آیا تم ہی تو ان کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو؟ (عرض کی جی ہاں۔ فرمایا) اس صورت میں اگر یہ عبادت کر سکتے تو بجائے اس کے کہ تم ان کی پرستش کرو یہ زیادہ موزوں ہوتا کہ یہ تمہاری پرستش کرتے۔ کیونکہ جو تمہاری مصلحتوں سے واقف اور انجام کار سے آگاہ ہے اور جس چیز کا بھی تمکو حکم دیتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس نے تو تم کو ان کی تعظیم کا کوئی حکم دیا نہیں۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تو ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ بعض تو ان میں سے یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالے نے اس صورت کے آدمیوں کے جسم میں حلول فرمایا تھا۔ پس ہم نے تعظیماً یہ صورتیں بنائی ہیں تاکہ ان صورتوں کی ہم تعظیم کر سکیں جن میں ہمارے پروردگار نے حلول فرمایا تھا۔ دوسرے بولے کہ یہ پہلے بزرگوں کی صورتیں ہیں جو ہم سے قبل اللہ تعالے کے مطیع بندے تھے پس ہم نے صرف خدا کی تعظیم کے لئے ان کی صورتیں بنائی ہیں اور ہم ان کی پرستش کرتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور فرشتوں کو ان کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا (تو بھلا ہم سجدہ کیسے نہ کریں) ہم تو فرشتوں کی بہ نسبت اس کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور چونکہ ہم ان کو نہ پا سکے لہذا ہم نے ان کی صورت بنالی اور فقط قربتِ خدا حاصل کرنے کے لئے ہم اسی (صورت) کو سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ فرشتوں نے قربت خدا حاصل کرنے کے لئے خود آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور جیسا کہ آپ اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو مکہ کی طرف سجدہ کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور آپ سجدہ کرتے ہیں پھر آپ نے مکہ کے سوا اور شہروں میں محرابیں بنالی ہیں جن کی طرف آپ لوگ کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کی نیت سے سجدہ کرتے ہیں وہ سجدہ آپ کا ان محرابوں کو نہیں ہوتا۔ نیز کعبہ کی طرف بھی آپ کا سجدہ خدا کو سجدہ کرنے کی غرض سے ہوتا ہے نہ کہ خود کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کی غرض سے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا۔ تم سب سے حقیقی راستہ سمجھنے میں چوک ہوئی اور تم سب گمراہ ہو گئے۔ اب حضرتؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ خدا تعالے نے بعض مردوں کی صورت میں حلول فرمایا تھا اور ان کی یہی صورتیں تھیں جو ہم نے تعظیماً بنالی ہیں تاکہ ہم ان صورتوں کی بزرگی کر سکیں جن میں ہمارا پروردگار حلول کر چکا ہے اور ان سے ارشاد فرمانے لگے کہ تم نے تو اپنے پروردگار میں مخلوقات کی سی صفتیں ثابت کر دیں۔ آیا تمہارے پروردگار کا کسی چیز میں حلول کرنا بغیر اس کے ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ اس چیز میں پورا سما گیا ہو اور اس چیز نے پورا پورا اسے گھیر لیا ہو (انہوں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا) تو پھر خدا میں اور ان چیزوں میں جو کسی جسم میں حلول

کئے ہوئے ہیں جیسے رنگ ہے۔ ذائقہ ہے۔ بو ہے۔ نرمی ہے۔ سختی ہے۔ بھاری پن ہے۔ ہلکا پن ہے۔ ان سب میں فرق کیا ہے؟ جس جسم میں حلول کیا گیا ہے یہ حادث کیوں ہے قدیم کیوں نہ ہوا؟ مناسب تو یہ تھا۔ کہ حلول کرنے والا حادث ہوتا اور جس میں حلول کیا ہے وہ قدیم اور جو حلول کرنے سے پہلے موجود تھا وہ ایسی چیز کا محتاج کیوں ہوا جو حلول کرے اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ خدائے عز و جل پہلے سے موجود تھا اب جبکہ تم نے اُس میں حلول وغیرہ حادث چیزوں کی صفتیں تسلیم کرلیں تو تمکو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ وہ کبھی کبھی زائل بھی ہوجائے اور جس میں تم نے زائل ہونے کی اور حادث ہونے کی صفتیں مان لیں تو اس کا تم کو فانی ہونا بھی ماننا پڑے گا اس لئے کہ جو حلول کرتا رہتا ہے اور وہ جسمیں حلول کرتا رہتا ہے وہ اُن دونوں کے لئے فنا لازم ہے اور یہ صفتیں ذاتِ باری کے سوا اوروں ہی کے لئے سزاوار ہوسکتی ہیں اور اگر کہیں یہ جائز ہو کہ ذاتِ باری کسی چیز میں حلول کرکے متغیر ہوسکتی ہے تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اس میں اور تغیرات بھی جائز ہو سکتے ہیں یعنی ممکن ہے کہ وہ حرکت کرے۔ ساکن ہوجائے۔ کالا ہوجائے۔ گورا ہوجائے۔ سرخ ہوجائے زرد ہوجائے۔ اور یکے بعد دیگرے اُس میں وہ سب صفتیں پیدا ہونے لگیں جو اُن چیزوں میں ہوا کرتی ہیں جن کو تم ان صفتوں سے موصوف کرتے ہو۔ یا یوں کہو کہ مخلوق کی کل صفتیں خالق میں آجائیں اور وہ خود ہی حادث ہوجائے۔ خدا تعالےٰ کی شان اس لغو اعتقاد سے کہیں ارفع ہے پھر جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ جب تمہارا یہی خیال باطل ثابت ہوا کہ خدا تعالےٰ کسی چیز میں سما سکتا ہے تو وہ چیز تو گئی گزری ہوئی جس چیز پر تم نے اپنے قول کی بنیاد رکھی تھی (آیا اب تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟) جناب امیر المؤمنین علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تو بالکل خاموش ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اپنے اعتقادات میں پھر غور کرینگے اس کے بعد آنحضرتؐ دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ تم ذرا سمجھکر اپنی حالت بیان کرو۔ جب تم نے اُن لوگوں کی صورت کو پوجنا شروع کیا جو خدا کی عبادت کیا کرتے تھے تو تم نے اُن کے لئے سجدہ بھی کیا اور اُن کی نماز بھی پڑہی اور اُن کے سامنے تم نے عزت دار چہروں کو خاک پر بھی رکھدیا تو بتاؤ تم نے خداوندِ عالم کے لئے کیا چیز باقی رکھی؟ آیا تم یہ نہیں جانتے کہ جس کی تعظیم و عبادت لازم ہو اُس کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اُس کے غلام کو اُس کے برابر نہ کیا جائے؟ آیا تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اگر تم کسی بڑے بادشاہ کو تعظیم اور خضوع و خشوع کرنے میں اُس کے غلام کے برابر کردو تو وہ تم پر اس کا الزام قائم نہ کریگا کہ بڑے کی بڑائی کرنے میں تم نے کمی کی اور چھوٹے کو بڑھا دینے میں زیادتی کی۔ اُنھوں نے عرض کی بیشک ایسا ہی ہے۔ فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم خدا تعالےٰ کی بزرگی کے خیال سے اُسکی اطاعت کرنے والے بندوں کی صورت کی اتنی ہی تعظیم کرتے ہو تو خود پروردگارِ عالم کی اُتنی ہی تحقیر کرتے ہو۔ یہ سُنکر وہ لوگ خاموش ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے (معتقدات کے) معاملہ میں غور و فکر کریں گے۔ پھر جناب رسولِ خدا نے تیسرے گروہ

کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے لئے مثل بیان کی اور اپنے آپ کو ہمارے مانند ٹھہرایا حالانکہ ہم تم برابر نہیں ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ اُسی نے ہم کو پیدا کیا اور وہی ہم کو روزی دیتا ہے جس چیز کا وہ ہم کو حکم دیتا ہے ہم اس پر چلتے ہیں اور جس بات سے وہ ہم کو روکتا ہے اُس سے ہم باز رہتے ہیں جس حیثیت سے وہ چاہتا ہے ہم اُس کی عبادت کرتے ہیں اب اگر اُس نے مختلف صورتوں میں سے کسی خاص صورت کا حکم دیا تو اُس کی اطاعت کرینگے اور دوسری صورت کی طرف جس کے بارے میں ہم کو کوئی حکم نہ دیا ہو خود بخود نہ دوڑ پڑینگے اس لئے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ جیسا اُس نے ایک صورت کی ہم سے خواہش کی ہے وہ دوسری صورت کو بھی پسند کرتا ہو ممکن ہے کہ دوسری اُسے ناپسند ہو۔ اب وہ ہم کو اس بات سے منع کر چکا ہے کہ ہم بلا حکم خود بخود کسی بات میں پہل کر بیٹھیں۔ جب اُس نے ہم کو یہ حکم دیا کہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے اُس کی عبادت کیا کریں ہم نے تعمیل کی۔ پھر جب اُس نے ہم کو یہ حکم دیا کہ جن شہروں میں بھی ہم ہوں اُسکی عبادت کرتے وقت کعبہ کی طرف رُخ کیا کریں۔ ہم نے اس کو مان لیا لہذا ہم کسی حال میں اور کسی جگہ اُس کے حکم کی اطاعت سے باہر نہیں ہیں۔ اب تم غور کرو کہ جب خدائے عزوجل نے خود حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ کرنیکا حکم دیا تھا تو اُنکی مورت کی طرف سجدہ کرنیکا حکم تو نہیں دیا کیونکہ وہ یقیناً آدمؑ نہیں ہے اور تمہارا یہ کام نہیں کہ تم ایک کا قیاس دوسرے پر کر لو۔ اس لئے کہ تم یہ نہیں جانتے کہ شاید خدا تعالےٰ کو تمہارا یہ فعل ناپسند ہو کیونکہ اُس نے تم کو اس کا حکم تو دیا ہی نہیں ہے پھر جناب رسولخدا نے اُن سے فرمایا کہ آیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر ایک شخص تم کو اپنے گھر میں کسی مقررہ دن میں آنیکی اجازت دے تو تم کو یہ حق بھی حاصل ہو جائیگا کہ اُس کے گھر میں اُس کی اجازت بغیر اور دنوں میں بھی جا گھسو؟ یا تمہیں یہ منزلت حاصل ہو جائیگی کہ اُس کے اور گھروں میں بغیر اُس کے حکم کے چلے جاؤ یا مثلاً کوئی شخص تم کو اپنے کپڑوں میں سے ایک کپڑا دیدے یا اپنے غلاموں میں سے ایک غلام تم کو بخشدے یا اپنی سواری کے جانوروں میں سے ایک جانور تم کو عطا کردے تو آیا تم کو یہ حق حاصل ہو جائیگا کہ اُسے لیلو اور اگر اُسے نہ پاسکو تو اُس کی صورت کا دوسرا بھی لے لوگے؟ اُنہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جیسی اجازت اُس نے ہم کو پہلی چیز کی دی تھی ویسی اجازت دوسری کی تو نہیں دی۔ فرمایا یہ تو بتاؤ آیا خدا تعالےٰ کا حق اس بات میں زیادہ ہے کہ اُس کی ملک میں بغیر اُسکی اجازت کے تصرف نہ کریں یا بعض بندوں کا؟ اُنہوں نے عرض کی کہ نہیں خدا کا حق اس بات میں زیادہ ہے کہ اُس کی ملک میں بغیر اُس کے حکم اور اذن کے کوئی تصرف نہ کیا جائے۔ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور تم کو کس نے حکم دیا کہ تم مورتوں کو سجدہ کیا کرو۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ سنکر وہ لوگ خاموش ہو رہے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے معاملات (معتقدات) میں پھر غور و فکر کرینگے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اُسی کی قسم جس نے ہمارے نبیؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تین دن گذرنے سے پہلے پہلے پچیس ۲۵ آدمی یعنی ہر گروہ میں سے پانچ

پانچ جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داخل دائرۂ اسلام ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ اے محمدؐ ہم نے کسی کی حجت ایسی نہیں دیکھی جیسی کہ آپ کی اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسی بات پر خداتعالے نے یہ آیت نازل کی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ (دیکھو صفحہ ۲۰۳ سطر ۲) کہ اس میں اُن تینوں گروہوں کا رد موجود ہے۔ خداوندتعالی نے جو یہ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تو یہ فرقۂ دہریہ کا رد ہوگیا جن کا دعوےٰ یہ تھا کہ اشیاء کی ابتدا ہی نہیں ہے یہ ہمیشہ سے یوں ہی چلی آتی ہیں اور پھر جب فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ تو یہ فرقۂ ثنویہ کا رد ہوگیا جن کا قول یہ تھا کہ نور اور ظلمت دونوں ملکر اس عالم کے مُدبّر ہیں پھر جب یہ فرمایا ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ یہ مشرکین عرب کا رد ہوگیا جو یہ کہتے تھے کہ ہمارے بُت ہی معبود ہیں۔ پھر خدائے تعالے نے سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ نازل فرمایا جس میں اُن سب لوگوں کا رد موجود ہے جو خداوندتعالےٰ کا شریک اور سہیم قرار دیتے ہیں جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر حضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہا کرو جس کا یہ مطلب ہے کہ ہم تجھ خدائے یکتا کی عبادت کرتے ہیں نہ تو ہم دہریوں کی سی باتیں بناتے ہیں کہ چیزوں کی ابتدا ہی کو نہ مانیں اور اُن کو دائمی جانیں اور نہ ہم ثنویہ کا قول مانتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ نور اور ظلمت دونوں مدبّرانِ عالم ہیں اور نہ مشرکوں کا قول تسلیم کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بُت ہمارے معبود ہیں خدایا ہم تیرا شریک کسی چیز کو نہیں ٹھہراتے اور تیرے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں مانتے جیسا کہ یہ کفار کہتے ہیں اور تیری شان میں وہ باتیں نہیں بناتے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ بکتے ہیں کہ تیرے لئے کوئی بیٹا ہوگیا۔ تیری شان اس سے کہیں ارفع و اعلےٰ ہے۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۲ متعلق صفحہ ۳۰۵

احتجاج میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اُن لوگوں نے یہ چاہا کہ قرآن میں ایسی باتیں بڑھادی جائیں جو خدا نے نہیں فرمائی ہیں تاکہ مخلوقِ خدا پر اصلی بات پوشیدہ ہوجائے۔ پس خدا نے اُن کے دلوں کو اندھا کردیا اور اُنہوں نے اُس میں ایسا کچھ باقی رہنے دیا جس سے اس کا پتہ چلنا آسان ہوگیا کہ اُنہوں نے اُس میں کیا کیا احداث کیا اور کیا کیا کم کردیا اور بڑھا تو کچھ بھی نہ سکے)

اُنہی جناب سے منقول ہے کہ جو لوگ کتابِ خدا کے ظاہر و باطن پر عمل کرتے ہیں اور اُس کے احکام کو قائم رکھتے ہیں وہ ایسے درخت سے پیدا ہوئے ہیں جس کی اصل نہایت مضبوط اور محکم ہے شاخیں اُس کی آسمان میں ہیں۔ ہر وقت وہ باروَر رہتا ہے یعنی علوم کے میوے لوگوں کے ہاتھ آتے ہیں اور اُن کے دشمن جو اپنے مُنھ سے خدا کا نور بُجھانے کا قصد کررہے ہیں شجرۂ ملعونہ سے اُن کی خلقت ہے مگر خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کردے۔ الاکمال میں ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ

جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ کی تلاش میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرا دیئے تھے اُسی طرح بنی اُمیہ اور بنی عباس نے جبکہ اُن کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قائم آلِ محمدؐ کی وجہ سے اُن کے جابروں کی سلطنت مٹی میں ملجائیگی تو اُنہوں نے قائم آلِ محمدؐ کی طرف سے اپنے دلوں میں عداوت قائم کرلی ہے اور اہلبیتِ رسوُل کے قتل پر تلوارین اٹھائی ہیں اس ارادے سے کہ نسل اُنکی قطع ہو جائے اور اُن کے زمرہ میں قائم آلِ محمدؐ بھی مارے جائیں۔ مگر خدا کو منظور نہیں ہے کہ کسی دشمن پر قائم آلِ محمدؐ کا حال ظاہر ہو یہاں تک کہ وہ اپنے نور کو کمال بخشے اگرچہ مشرکوں کو بُرا لگے۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۳ متعلق صفحہ ۳۰۵

کافی میں جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ خدا نے رسوُل کو حکم دیا کہ اپنے وصی کی ولایت ظاہر کردیں ولایت سے مراد دینِ حق ہے جو قائم آلِ محمدؐ کے زمانۂ ظہور میں تمام دینوں پر غالب آجائیگا۔ خدائے تعالےٰ ولایتِ قائمؑ کو ولایتِ علیؑ کے ذریعہ سے پورا کردیگا اگرچہ کافر بُرا مانیں کسی نے عرض کیا اے مولا کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں۔ اُسی کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات میں ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت موسیٰؑ سے جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں فرمایا۔ میں اپنے کلمات کو ضرور پورا کرونگا اور اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرونگا یہاں تک کہ ہر مکان میں میری عبادت کی جائیگی۔ احتجاج میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اُن جناب نے فرمایا "صاحب الامرؑ ایک عذر کی وجہ سے غائب ہو جائینگے۔ اُس وقت میں لوگوں کے قلوب فتنے برپا کریں گے یہاں تک کہ آدمیوں میں جو سب میں زیادہ اُن کا قرابت دار ہوگا وہ اُن کا سخت دشمن ہو جائیگا اُس وقت خدا تعالےٰ اُن کی ایسے لشکر سے مدد کریگا جس کو تم نہ دیکھو گے اور اپنے پیغمبر کے دین کو خدا اُن کے ہاتھ سے سب دینوں پر غالب کردیگا اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو"۔ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ دینِ محمدیؐ کا غلبہ اُس وقت ہوگا کہ جب مہدیٔ آلِ محمدؐ ظاہر ہوں گے اُس زمانے میں کوئی ایسا باقی نہ رہیگا جو جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرے۔ الاکمال اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارا قائمؑ اپنے رعب و دبدبہ سے مظفر و منصور ہوگا۔ مددِ غیبی سے اُس کی نصرت کی جائیگی۔ زمین اُس کے واسطے سمٹ جائے گی (کہ جہاں چاہیں گے دم بھر میں چلے جائیں گے) زمین کے خزانے اُن پر ظاہر ہو جائیں گے اُن کی سلطنت مشرق سے مغرب تک پہونچے گی اُن کے ذریعہ سے خدا اپنے دین کو سارے دینوں پر غالب کردیگا۔ کوئی ویرانہ ایسا نہ رہیگا جہاں آبادی نہ ہو جائے۔ عیسےٰ روح اللہ بن مریمؑ نازل ہونگے اور اُن حضرت کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۴ متعلق صفحہ ۳۰۵

تفسیر قمی میں اُس حدیث کا بقیہ جسے ہم سورۂ بقرہ میں بیان کرچکے ہیں (دیکھو صفحہ ۲۰ نوٹ نمبر ۱) یہ ہے کہ عثمان ابن عفان

نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ اے ابو اسحاق تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ ایک شخص نے واجب ہونے کے بعد اپنے مال کی زکوٰۃ دیدی اب بتلاؤ کہ پھر بھی اُس کے ذمہ کچھ رہا۔ کعب نے جواب دیا کہ پھر اگرچہ وہ چاندی سونے کی اینٹیں بھی بنا کر رکھ لے تب بھی اُس پر کچھ نہیں۔ حضرت ابوذر غفاری نے (جو اتفاق سے اُس وقت وہاں موجود تھے) اپنا عصا اُٹھا کر کعب کے سر پر دے مارا اور فرمایا اے یہودیہ کافرہ کے جنے تیری بھی اتنی مجال ہوگئی کہ تو مسلمانوں کے احکام میں دخل دینے لگا خدا کا قول تیری بکواس سے کہیں زیادہ سچا ہے تو نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ خدا نے اپنے رسولؐ کو خبر دی ہے کہ جو لوگ سونا یا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔

قولِ مترجم۔ سبحان اللہ چشم بد دور!! خلیفۂ رسول کہلائیں اور ایک چھوٹا سا مسئلہ دوسروں سے پوچھتے پھریں۔ قرآن تک یاد نہ تھا نہ اُس کی کوئی منزلت سمجھتے تھے جبھی تو یہ گت بنائی کہ کہیں کی آیت کہیں لاڈالی۔ اُس پر یہ ستم کہ بہت سے نسخے آگ میں رکھ کر جلا دئے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ درہم ہوں یا دینار (یعنی روپے ہوں یا اشرفی) جب گنتی میں چار ہزار سے زیادہ ہوں تو وہ کنز کے حکم میں ہیں خواہ اُن کی زکوٰۃ دی گئی ہو یا نہ دیگئی ہو۔ جو اِس تعداد سے کم ہوں وہ سامانِ خرچ سمجھا جائیگا۔ تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا گیا تھا تو ان حضرتؑ نے فرمایا کہ دو ہزار درہم (روپے) سے جو زیادہ ہو تو وہ اِس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ امالی میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دیگئی ہو وہ کنز میں داخل نہیں ہے گو ساتوں زمینوں کے نیچے تک چلا جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو وہ کنز ہے گو زمین کے اوپر ہی ہو۔ کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے شیعوں کو اجازت ہے کہ انکے پاس جو کچھ ہے اُسے نیک کاموں میں صرف کرتے رہیں مگر جب قائم آلِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہو جائینگے تو پھر صاحب خزانہ پر خزانہ کا اپنے پاس رہنے دینا حرام ہو جائیگا اُسی وقت اُس کو لازم ہوگا کہ اپنے خزانہ کو اُن حضرتؑ کی حضور میں پہنچا دے تاکہ وہ حضرتؑ اُسے اپنے دشمنوں کے برخلاف کام میں لاسکیں۔ اور خدا تعالیٰ کے اس قول وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کا یہی مطلب ہے۔

قول صاحب تفسیر صافی۔ ظاہرا روپیہ کی چار حدیثوں میں اختلاف ہے ان میں موافقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حقوق واجب ادا کرنے کے بعد کسی غرض صحیح کے لئے دو ہزار یا چار

ہزار تک جمع کرلینا جائز ہے اور منجملہ حقوق کے حق امام بھی ہے جبکہ امام ظاہر ہو اور اُس میں کُل وہ حصّہ مال داخل ہے جو صاحبِ مال کی واجبی ضرورت سے زائد ہو۔

قول مترجم۔ مؤمنین کو زکوٰۃ تو اُس طرح ادا کرنی چاہیئے جس طرح جناب امام جعفر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ظاہری و باطنی زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس پر بھی بچ رہے اور جمع کرنے کا ہی شوق ہو تو غرض صحیح یہ مدّنظر رکھیں کہ جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام تشریف لائے اور ہم نے اُن کی خدمت بابرکت میں پہنچایا تاکہ وبال و نکال سے محفوظ رہیں اور اجر و ثواب کے مستحق ہوں۔ امالی میں ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں کھینچی جائینگی نیز منقول ہے کہ کسی شخص نے جناب امام محمد باقر علیہ السّلام سے درہم و دینار (روپیہ اشرفی) کے بارے میں دریافت کیا کہ اے مولا کسی کے پاس زیادہ ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟ حضرت نے فرمایا کہ درہم و دینار (روپیہ اشرفی) زمین پر خدا کی مہریں ہیں جو خدا نے زمین پر اپنی مخلوق کی اصلاحِ حالت۔ درستی شان اور اغراض صحیح پورا کرنے کے لئے مہیا فرمائی ہیں جس کے پاس یہ کثرت سے ہوں اور وہ اُن میں خدا تعالیٰ کے حقوق سمجھے اور وہ اُن کی زکوٰۃ وغیرہ باقاعدہ نکالے تو اُس نے خدا کا مقصد پورا کر دیا اور جو مال بچا وہ اس کے لئے حلال ہے اور جس کے پاس مال بہ کثرت ہو اور وہ کنجوسی اختیار کرے اور خدا کے حقوق اُس میں سے نہ ادا کرے۔ مکان اونچے اونچے بنوائے تو وہ عذاب خدا کا مستحق ہوگا اور اُسی کے بارے میں خدائے تعالےٰ نے یہ وعید فرمائی ہے۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (دیکھو صفحہ ۳۰۶ سطر ۱) تفسیر قمی میں ہے کہ خدا نے سونا چاندی (روپیہ اشرفی) کا خزانہ جمع کرنا حرام قرار دیا ہے اور اُن کو راہِ خدا میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ الخ التہذیب میں اُنہی حضرت سے منقول ہے کہ جس بندے کی خیر و خوبی خدا کو منظور ہو اُس کو تین ہزار درہم بھی ایک دم نہیں دیتا۔ نیز فرمایا کہ کوئی شخص دس ہزار درہم محض حلال ہی حلال سے جمع نہیں کرسکتا۔ سوائے اُس کے جو لوگوں کا خازن ہو اور جب کسی شخص کو بقدر ضرورت روزی بھی ملتی ہو اور عمل خیر کی بھی توفیق عطا ہوئی ہو تو اُس کے لئے اللہ نے دنیا و آخرت کی (خیر و خوبی) کو جمع کر دیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابوذرؓ غفاری مُلکِ شام میں تھے اور روزانہ صبح سویرے بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے کہ اُے خزانہ والو! تم کو خبردار رہنا چاہیئے کہ روز قیامت اسی سونے چاندی سے پیشانیاں داغی جائیں گی پہلو داغے جائیں گے۔ کمروں پر داغ لگائے جائیں گے یہاں تک کہ آگ کی حرارت شکموں میں بھڑکنے لگے گی۔

قول مترجم۔ اس منادی کرنے کے باعث حضرت ابوذرِ غفاری علیہ الرحمۃ اور عثمان کے درمیان جو واقعہ گزرا اُس کے لئے دیکھو قرآن مجید مترجم کا صفحہ ۲۰ نوٹ نمبر ۱ معہ ضمیمہ متعلقہ

ضمیمہ نوٹ نمبر ۵ متعلق صفحہ ۳۰۷

قول مترجم۔ اس آیت میں لفظ مَعَنَا میں ضمیر تثنیہ کی ہے یا جمع کی اس لئے کہ متکلم کی ضمیر میں تثنیہ اور جمع میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پس اگر ضمیر تثنیہ کی مانی جائے تو اُن دو سے مُراد جناب محمد مصطفےٰ اور جناب علیؑ مرتضےٰ ہیں اس لئے کہ ظاہر بظاہر یہی دونوں معرض خطر میں تھے بستر پر ہوں تو غار میں ہوں تو کیونکہ ابوبکر تو بظاہر مسلمان تھا اور اپنی اسی مسلمانی کے پیچھے معہ اپنے سامان بزازہ کے ہجرت اولےٰ میں جانے والے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ جانے کے لئے تیاری کرچکا تھا کہ ابن الدغنہ رئیس قبیلہ نے جو مشرکین قریش کا حلیف (ہم سوگند قبیلہ) تھا اُس کو امان دیدی تھی اور اسی امان کے بھروسہ پر یہ ہجرت توڑ کر چلا آیا تھا اور مکہ میں دندناتا پھرتا تھا۔ اس لئے کہ رسم جاہلیت کے بموجب اگر کسی قبیلہ کا رئیس کسی شخص کو امان دے دیتا تھا تو اس کے حلیف قبیلہ کے ہر متنفس کو بھی اُس کی امان کا پاس کرنا پڑتا تھا۔ اس حیثیت سے ابوبکر کو ابن الدغنہ کی معیت حاصل تھی۔ اور مشرکین قریش سے اُسے کسی طرح کا دغدغہ اور خطرہ نہ تھا اگر گرفتار بھی ہوجاتا تو اُس کا بال بیکا نہ ہوتا بس جو جو دغدغے اور خطرہ میں تھے اُنہی کو کسی زبردست کی معیت اور امان کی ضرورت تھی وہ سب سے زبردست اور سب کا حقیقی محافظ اللہ ہے جس کی معیت جناب محمدؐ مصطفےٰ اور جناب علیؑ مرتضےٰ کو اس وجہ سے حاصل تھی کہ وہ دونوں مقدس بزرگوار بخلوص اُسی کے کام میں لگے ہوئے تھے جسے خدا کی معیت حاصل ہو وہ آنِ واحد کے لئے کسی دوسرے کا بندہ اور پرستار ہو ہی نہیں سکتا۔ مثال کے لئے ملاحظہ کیجئے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا قول جسے خدا تعالےٰ نے نقل فرمایا ہے۔ اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ہ (دیکھو صفحہ ۵۸۹ سطر ۴) یہ اُس وقت فرمایا ہے جبکہ موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لیکر چل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور فرعون اپنے لشکروں کو ہمراہ لیکر ان کو گرفتار کرنے کے ارادہ سے تعاقب کرتے کرتے اتنا قریب آپہنچا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کے اصحاب نے فرعون کو اور اُس کی جمعیت کو دیکھ بھی لیا اور بول اُٹھے کہ ہم اب گرفتار ہوئے جاتے ہیں۔ مگر معیتِ خدا ایسی چیز ہوتی ہے کہ نہ موسےٰ مرعوب ہوئے نہ مضطر و مضطرب بلکہ کمال ثابت قدمی سے دُوسروں کا بھی اطمینان کردیا کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہبری فرمائیگا اور ضمناً یہ مطلب بھی تھا کہ اگر تم میرے ساتھ رہے تو ہرگز اُس موذی کے پنجے میں نہ پھنسنے پاؤ گے چنانچہ ایک بھی اُس کے ہاتھ نہ پڑا یہاں بھی وہی ماجرا درپیش ہے ڈھونڈنے والے غار کے دروازے تک جا پہنچے مگر چونکہ جناب رسُولِ خدا کو معیتِ خدا حاصل تھی نہ کوئی آنحضرتؐ تک پہنچا نہ کوئی آنحضرتؐ کو پا سکا۔ ابوبکر جو ظاہرا جناب رسُولِ خدا کے ساتھ تھا وہ بھی آنحضرتؐ کی برکت سے مشرکین کے ہاتھ میں پڑنے سے ویسا ہی محفوظ رہا جیسا کہ موسےٰؑ کے منافق اصحاب فرعون کے ہاتھ میں پڑنے سے موسےٰؑ کی برکت سے بچ گئے تھے (موسےٰ علیہ السلام کے اصحاب کیسے تھے۔ اس کے لئے دیکھو صفحہ ۲۵۰ سطر ۹ تا صفحہ ۲۷۰ سطر ۱) اُن کا قول اِنَّا لَمُدْرَكُونَ جو خدائے تعالےٰ نے

اپنے کلام پاک میں نقل فرمایا ہے (دیکھو صفحہ ۵۰۹ سطر ۲) اور ابوبکر کا قول جو احادیث وسیر و تواریخ میں پایا جاتا ہے بالکل یکساں ہے جضرت موسئے کے ساتھ میں حضرت ہارونؑ ایسے تھے کہ ہر طرح اُن کے تابع اور ایسے بھروسے کے لائق کہ خود موسئے عرض کرتے ہیں رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ (دیکھو صفحہ ۱۷۶ سطر ۹) اسی طرح جناب محمد مصطفےٰ کے لئے علی مرتضٰے تھے کہ ہر طرح حکم کے تابع اور ایسے بھروسے کے لائق کہ آنحضرتؐ کو یقین واثق تھا کہ اگر کفار اُس تک پہنچ بھی جائیں گے تو کچھ بھی گزر جائے میرا پتہ ہرگز نہ بتائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جہاں کفار کے پہنچنے کا اندیشہ صریح تھا وہاں خطرہ بھی صیح تھا لہٰذا معیتِ خاص کی ضرورت بھی صریح تھی اور بحمد اللہ وہ حاصل تھی۔ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مثیلِ موسئے علیہ السلام تھے تو جناب علی مرتضٰے یقیناً شبیہ ہارونؑ تھے۔ نبی اور وصی کو معیت خدا اس شان سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ خدائے تعالےٰ حضرت موسئے وہارون علیہما السلام سے خطاب کرکے فرماتا ہے اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (دیکھو صفحہ ۵۰۰ سطر ۱۱)

ضمیمہ نوٹ نمبر ا متعلق صفحہ ۳۱۲

کافی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جتنے مؤلفۃ القلوب آجکل ہیں اتنے کبھی نہیں ہوئے اُن میں سے ایک گروہ وہ ہے جو خدا کو ایک جانتا ہے بشرک سے تو وہ لوگ نکل آئے مگر ابھی اُن کے دلوں میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوئی اور نہ اُن باتوں کی اُن کے قلوب میں جگہ ہوئی جو آنحضرتؐ نے خدا کی طرف سے بیان فرمائیں جبھی تو جناب رسولِ خدا انکی تالیفِ قلوب کرتے تھے اور اُن کے بعد مؤمنین (یعنی امان دینے والے ہم ائمہ) کرتے رہتے ہیں تاکہ اُن کو پوری پوری معرفت حاصل ہوجائے کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلم یا مومن مرجائے اور اُس کے ذمہ قرضہ ہو پس اگر وہ بدکاری اور فضول خرچی کے سبب سے نہیں ہے تو امام پر اُس کا ادا کرنا لازم ہے اور اگر امام نہ ادا کریگا تو اُس شخص کے ذمہ اُس کا وبال رہے گا۔ کیونکہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ پس مقروض مسلم یا مومن صنف غارمینؔ میں داخل ہے جن کا حصہ خدائےتعالےٰ نے صدقات میں قرار دیا ہے۔ اگر وہ حصہ امام کے پاس موجود ہے اور اگر امام اُس حصہ کو روک رکھیگا تو قرضدار وبال سے بری نہیں ہوسکتا (امام چونکہ عادل ہے لہٰذا وہ بلاوجہ موجہ کسی کو گرفتارِ وبال کیوں رہنے دیگا) کافی میں ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدوی عربوں کے صدقات بدوی عربوں ہی پر تقسیم کردیتے تھے اور شہریوں کے صدقات شہریوں کو دیتے تھے اور اُن سب کو برابر کا حصہ عطا نہ فرماتے تھے بلکہ جتنے مستحقین آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو جس کو وہ جناب جتنے کے لائق دیکھتے تھے اتنا ہی عطا فرما دیتے تھے۔ کیونکہ صدقات دینے کا نہ کوئی وقت مقرر ہے اور نہ یہ وظیفہ ہے

جو برابر کا حصّہ دیا جائے۔ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب کا حصّہ اور اُن لوگوں کا حصّہ جن کو آزاد کرانا مقصود ہو عام ہے اور باقی سہام خاص ہیں جو انہی لوگوں کو دئے جائینگے جن کو معرفت حاصل ہو چکی ہوگی وہ حصّے غیروں کو نہ دئے جائینگے۔ الخصال میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ بنی ہاشم کو صرف دو صورتوں میں صدقہ لینا جائز ہے۔ ایک وہ وقت جبکہ وہ بیحد پیاسے ہوں پس جب اُن کو پانی ملے تو اتنا پی لیں جتنے سے پیاس بجھ جائے۔ دوسرے یہ کہ آپس کے صدقات لے لیں (یعنی بنی ہاشم کا صدقہ بنی ہاشم پر جائز ہے) من لایحضرہ الفقیہ اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ کسی شخص نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مکاتب غلام کے بارے میں جو اپنی آزادی کے بارے میں کچھ حصّہ ادا کر چکا ہو اور باقی بوجہ محتاجی کے نہ ادا کر سکتا ہو دریافت کیا تھا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ اُس کا بقیہ صدقات سے دیکر اُس کو ادا کر دیا جائے اسی لئے کہ خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ ھُوَ فِی الرِّقَابِ اور اس سے مراد ایسے ہی غلام ہیں۔ (مکاتب غلام کی بابت دیکھو صفحہ ۴۱ نوٹ نمبر ۲)

ضمیمہ نوٹ نمبر ۱ متعلق صفحہ ۳۱۶

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت اہل عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی اس لئے کہ اُنھوں نے یہ بات اپنے دلوں میں ٹھان لی تھی کہ جب جناب رسولؐ خدا غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت عقبہ میں پہنچیں گے تو آنحضرتؐ کو قتل کر ڈالیں گے اور تجویز اس کی یہ سوچی تھی کہ آنحضرتؐ کے ناقہ کی کوچیں کاٹ ڈالیں گے۔ پھر حضرتؐ سمیت اُس ناقہ کو نیچے کی طرف ڈھکیل دیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو خبردار فرما دیا۔ یہ بات آنحضرتؐ کے معجزات میں سے تھی کیونکہ بغیر وحی ایسے امور پر مطلع ہونا ممکن نہیں۔ حاصل کلام جناب رسولِ خدا مقام عقبہ پر تن تنہا پہنچے اس طرح کہ عمارؓ حضرتؐ کے ناقہ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور حذیفہ ابن الیمان پیچھے پیچھے اونٹ ہانکتے چلے آ رہے تھے کیونکہ اور سب لوگوں کو آنحضرتؐ نے یہ حکم دے دیا تھا کہ بادی میں ہو کر چلیں اور وہ لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ تعداد میں بارہ یا پندرہ تھے۔ جناب رسول اللہ نے اُن سب کو پہچانا اور اُن کے نام لے لیکر بتا دیا۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آٹھ اُن میں سے قریش میں سے تھے اور چار عام عرب میں سے۔

قول مترجم۔ اس مضمون کے سلسلہ کے لئے دیکھو ضمیمہ کا صفحہ ۱۲۹ اور نوٹ نمبر ۲ صفحہ ۳۱۳۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسولؐ خدا خم غدیر میں جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے اور لوگ اپنے اپنے خیمہ میں پہنچ گئے تو حضرت مقدادؓ کا گزر ایک گروہ کے پاس سے ہوا جو آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ دیکھو تو سہی جب محمدؐ کی موت قریب پہنچی اور زندگی کے دن پورے ہو چکے اور کوچ کا وقت قریب آ گیا تو یہ ارادہ کیا کہ اپنے بعد علیؑ کو ہمارا حاکم بنا جائے۔ خدا کی قسم اس

ارادہ میں جیسی کچھ کامیابی ہوگی) اُسے بھی معلوم ہو جائیگا۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت مقدادؓ (یہ باتیں سنتے ہوئے) آگے بڑھ گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر تمام واقعہ عرض کردیا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ندا کردو نماز کے لئے سب لوگ جمع ہو جائیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپس میں انہوں نے کہا کہ مقدادؓ نے ہم پر تہمت لگائی ہے تو آؤ ہم بھی حاضر ہوکر اُس کے برخلاف ہوکر حلف اٹھائیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ لوگ آکر جناب رسولِ خدا کے سامنے کھڑے ہوکر عرض کرنے لگے کہ یا رسولؐ اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اُسی کی قسم جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے اور اُسی کی قسم جس نے آپ کو نبوت کی بزرگی بخشی ہے اور اُسی کی قسم جس نے آپ کو نوعِ انسان پر فضیلت دی ہے جو خبر آپ کو پہنچی ہے یہ بات ہم نے ہرگز نہیں کہی۔ اس پر آنحضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا (يَا مُحَمَّدُ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ) بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا وہ اپنے اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (اے محمدؐ عقبہ سے گزرنے والی رات کو) انہوں نے اُس بات کا قصد ضرور کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے۔

ابان ابن تغلب سے منقول ہے جبکہ جناب شہنشاہِ انس و جن نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنا وزیر بنایا اور غدیر خم میں مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ فرمایا تو حاضرین میں سے دو قریشیوں نے سر ہلا کے کہا کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ تو کبھی ہونے نہ پائیگا۔ یہ خبر آنحضرتؐ کو بھی پہنچی تو آنحضرتؐ نے اُن دونوں کو بلا کر واقعہ پوچھا۔ دونوں صاف مکر گئے اور جھوٹی قسمیں کھانے لگے۔ پس جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور یہ آیہ لائے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ دونوں بےتکلف حاکم بھی بنے اور مر بھی گئے۔ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے کعبہ میں بیٹھ کر باہم یہ حلف کیا تھا کہ امرِ خلافت کو بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ اسی کو خدا نے کلمۂ کفر فرمایا ہے۔ پھر یہی لوگ گھاٹی میں جناب رسولِ خدا کے قتل کے ارادہ سے گھات میں جا بیٹھے تھے جس کے بارے میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا علاّمہ ابن بابویہ القمی علیہ الرحمہ نے باسناد خود حضرت حذیفہ ابن الیمان سے روایت کی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت جناب رسولِ خدا کی اونٹنی کو بھڑکانا چاہا وہ مندرجہ ذیل چودہ آدمی تھے۔ ابوالشرور[1] (ابوبکر) ابوالدواہی[2] (عمر) ابوالمعازف[3] (عثمان) عفان[4]۔ طلحہ[5] سعد ابن ابی وقاص[6]۔ ابوعبیدہ[7] ابن الجراح۔ ابوالاعور[8]۔ مغیرہ[9] سالم مولا[10] ابی حذیفہ۔ خالد ابن الولید[11] عمرو ابن العاص[12]۔ موسےٰ الاشعری[13]۔ عبدالرحمن[14] ابن عوف۔ انہی کے بارے میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا۔ علاّمہ ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ جب معاملۂ غدیر خم تمام ہو چکا اور لوگ وہاں سے چلے گئے تو ایک مقام پر قریش میں سے چند آدمی بیٹھے ہوئے واقعۂ غدیر خم پر افسوس

کر رہے تھے ناگاہ ایک گوہ کا اُن کے پاس سے گزر ہُوا۔ اُسے دیکھ کر کہنے لگے۔ کاش! محمدؐ اس گوہ کو ہمارا حاکم بنا دیتے تو اچھا ہوتا۔ علیؑ کو نہ بناتے یہ باتیں حضرت ابوذرِ غفاری نے بھی سُن لیں اور انہوں نے جناب رسُولِ خدا کو اس امر سے آگاہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے کسی کو بھیجکر انہیں بلوایا اور اُن کی کہی ہوئی باتیں اُن کے سامنے دُہرائیں سب ملاعنہ نے صاف انکار کر دیا اور حلف اُٹھا لیا کہ ہم نے ایسا نہیں کہا۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یَحْلِفُوْنَ الخ جناب رسُولِ خدا نے فرمایا کہ زمین نے کسی ایسے کا بوجھ نہیں اٹھایا اور آسمان نے کسی ایسے پر اپنا سایہ نہیں ڈالا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔

قول مترجم۔ مُراد آنحضرتؐ کی یہ ہے کہ غیر معصُومین میں حضرت ابوذرؓ سب سے زیادہ سچے ہیں تو بشہادت پیغمبرِ خدا یہ صدیق ہوتے نہ کہ وہ جن کو یار لوگوں نے بنا دیا۔

تفسیرِ عیاشی میں جابر بن ارقم سے منقول ہے کہ ہم لوگ ایک جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور زید بن ارقم کا بھائی حدیثیں بیان کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک شخص گھوڑے پر سوار مسافرانہ ہیئت سے ہمارے قریب آیا اور گھوڑا روک کے اُس نے سلام کیا اور پوچھا۔ آیا تم لوگوں میں زید بن ارقم بھی ہے؟ زید نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ زید ابن ارقم سے آپ کا کیا کام ہے؟ اُس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں؟ زید نے کہا مجھے کیا خبر تم کس جگہ سے آ رہے ہو۔ وہ سوار بولا میں فسطاط مصر سے اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے جناب رسُولِ خدا کی ایک حدیث کے بارے میں کچھ دریافت کروں جو آپ نے بیان کی ہے اور مجھے اُس کی خبر پہنچی ہے۔ زید نے کہا وہ کونسی حدیث ہے؟ سوار نے جواب دیا کہ وہ حدیثِ غدیرِ خم ہے جو ولایت جنابِ علیؑ ابن ابیطالب کے بارے میں ہے۔ زید نے کہا عزیز من واقعۂ غدیرِ خم سے پہلے کا قصہ میں تم سے بیان کرتا ہوں اوّل اُسے سُن لو، وہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت روح الامینؑ ولایتِ علیؑ ابن ابیطالب کا حکم لے کر جناب رسُولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس آنحضرتؐ نے اپنے بعض اصحاب کو جن میں یہ خادم بھی تھا طلب فرما کے معاملہ ولایت میں مشورہ لیا تاکہ زمانۂ حج میں حکم الٰہی اُمت تک پہنچا دیں۔ اُس وقت ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا جو ہم رائے دیتے۔ جناب رسولِ خداؐ گریہ فرمانے لگے۔ جبرئیلِ امین نے عرض کی یا رسول اللہ آپ گریہ کیوں فرماتے ہیں کیا آپ کو امرِ الٰہی کی تبلیغ پر رونا آگیا؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا حاشا وکلّا! اے جبرئیل!! یہ وجہ نہیں ہے۔ اے جبرئیلؑ!! خدا خوب جانتا ہے کہ جب قریش نے میری رسالت کو نہ مانا تو اُن کے ہاتھوں مجھے کیسی کیسی ایذائیں پہنچیں یہانتک کہ خدا نے مجھے جہاد کا حکم دیا۔ اور آسمان سے لشکر کے لشکر میری مدد کے لئے اُتارے اور اُن لشکروں سے میری مدد کی اتب کہیں اسلام کی یہ صورت بنی!! اب مجھے خوف یہ ہے کہ یہ لوگ میرے بعد علیؑ ابن ابیطالبؑ کی امامت وحکومت کا کیسے اقرار کریں گے۔ یہ سُنکر جبرئیلؑ امین واپس چلے گئے پھر حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اس حکم کو جو وحی کا حصّہ ہے اُمت تک نہ پہنچائیں گے اور اس کی وجہ سے خواہ

نخواہ دل تنگ رہینگے؟ (اے سوار!) جب ہم حج سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف پلٹے اور جحفہ میں اُترے تو ہم نے اپنے خیمے نصب کر دئے اُسی وقت جبرئیل امین آیہ یَاأَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ الخ (دیکھو صفحہ ۱۵۸ سطر ۱) لیکر خدمت جناب رسول خدا میں آئے۔ ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ یکایک جناب رسول خدا کی آواز سُنی کہ وہ جناب فرمارہے ہیں اَیُّهَا النَّاس داعی اللہ کی بات کو مانو میں خدا کا رسول ہوں۔ یہ آواز سُنکر ہم لوگ دھوپ کی گرمی میں دوڑتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا ہم نے کہ وہ جناب حرارت آفتاب کی وجہ سے ایک کپڑا سر پر اور ایک پیروں کے نیچے ڈالے ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ہم لوگوں کو درختوں کے نیچے صفائی کرنے کا حکم دیا۔ پس وہ مقام صاف کیا گیا جو کچھ وہاں جھاڑ جھنکاڑ کنکر پتھر تھا وہ سب ہٹا دیا گیا۔ اُس وقت ایک شخص بولا بھلا اُس مقام کے صاف کرنے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ ابھی یہاں سے کوچ کا ارادہ ہے (اس سے معلوم ہوا کہ) ضرور کوئی نہ کوئی بلا تم پر نازل ہونے والی ہے۔ پس جب وہ مقام صاف ہو گیا تو جناب رسول خدا نے حکم دیا کہ اپنے اُونٹوں کے پالان اور رسّیاں اور کاٹھیاں حاضر کرو۔ پس ہم لوگ یہ سب چیزیں لائے اور اُن کو تلے اُوپر رکھ کر (رسّی سے کس کر) منبر کی صورت بنا دی۔ پھر اُس پر کپڑا ڈال دیا پھر آنحضرتؐ اُس پر رونق افروز ہوئے اول خدائے تعالےٰ کی حمد و ثنا بجا لائے اُس کے بعد فرمایا کہ اے گروہ مردم! آگاہ ہو جاؤ عرفہ کی شام کو میرے پاس پروردگار عالم کا ایسا حکم آیا تھا جس کے پہنچانے سے مجھے جھوٹوں کی تکذیب کا بے حد خوف ہوا۔ آج یہاں پہونچ کر پھر وہی حکم بڑی شدّ و مد سے آیا ہے کہ اب اگر اُس کو بجا نہ لاؤں گا تو مستحق عتاب الٰہی کا ہو جاؤں گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اب مجھے اُس کے بیان کرنے میں نہ کسی کی مخالفت کا اندیشہ ہے نہ کسی کی قرابت کا لحاظ و پاس کہ اُس کی محبت مجھے باز رکھ سکے۔ اَیُّهَا النَّاس تمہارے نفسوں پر کون حاکم ہے؟ سب نے کہا اللہ اور اُس کا رسولؐ ہمارا حاکم ہے۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا کہ یا اللہ! تو گواہ رہنا اور اے جبرئیلؑ! تم بھی (اِن لوگوں کے اقرار پر) گواہ رہنا۔ پس جناب رسول خدا نے علیؑ ابن ابیطالبؑ کے بازو پکڑ کے ہاتھوں پر بلند کر کے درگاہ خدا میں عرض کی اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ خدایا جس کا میں حاکم ہوں یہ علیؑ بھی اُس کا حاکم ہے یا اللہ جو شخص علیؑ کو حاکم سمجھے تو اُسے دوست رکھ اور جو کوئی علیؑ سے دشمنی کرے تو اُس سے دشمنی کیجیو۔ یا اللہ جو علیؑ کی نصرت کرے تو بھی اُس کی مدد کیجیو اور جو علیؑ کی نصرت چھوڑ دے تو بھی اُس کی مدد نہ کیجیو۔ تین مرتبہ آنحضرتؐ نے یہ دُعا مانگی پھر فرمایا اَیُّهَا النَّاس کیا تم لوگوں نے سُن لیا جو میں نے کہا؟ سب نے (ہاتھ اُٹھا کر) کہا خدا گواہ ہے ہم نے سُن لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا؟ سب نے کہا بیشک! آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الٰہی تو گواہ رہیو اور اے جبرئیلؑ تم بھی (میرے تبلیغ اَمر

اور ان کے اقرار پر گواہ رہنا۔ پھر آنحضرت اتر آئے اور ہم لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں چلے آئے۔ میرے خیمہ کے پہلو میں قریش کے ایک گروہ کا ڈیرہ تھا اور وہ گنتی میں تین آدمی تھے اور میرے ہمراہ حذیفہ ابن الیمان تھے۔ پس میں نے سُنا کہ اُن تین میں کا ایک (مردک) کہہ رہا ہے۔ قسم بخدا یہ محمدؐ (معاذ اللہ) احمق ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے بعد علیؑ ابنِ ابیطالبؑ کی حکومت برقرار کردے (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا) دوسرا (پاجی) بولا کہ یہ سب کے سب بیوقوف ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ مجنوں ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ پسرابوکبشہ کی زوجہ کے قریب گرنا چاہتا تھا۔ تیسرا (گدھا) بول اٹھا میاں چھوڑو بھی۔ جانے دو چاہے وہ احمق ہو یا مجنون ہو خدا کی قسم جو اُس نے کہا ہے وہ ہرگز نہ ہوگا۔ اُن نابکاروں کا بیہودہ کلام سن کر حذیفہؓ (جوشِ محبت جنابِ رسُولِ خدا سے) غضب میں بھر گئے اور خیمہ کا کنارہ اٹھا کر اُن کی طرف اپنا سر نکالا اور فرمایا کہ (اے منافقو!) تم نے (آیندہ کا حال بھی) جان لیا۔ حالانکہ جنابِ رسُولِ خدا یہاں موجود ہیں اور انکی معرفت وحیِ خدا تم کو سُنا دی گئی ہے۔ خدا کی قسم کل صبح سویرے میں تمہاری باتوں کی خبر آنحضرتؐ کو ضرور دوں گا۔ وہ مردود کہنے لگے کہ اے ابوعبداللہ! (اونو) آپ یہیں تشریف رکھتے ہیں۔ ہماری باتیں آپ نے سُن لیں (برائے خدا) آپ اس راز کو چھپا ڈالئے کیونکہ پڑوسی کا بڑا حق ہے۔ اُس کی امانت محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ یہ موقع پڑوسی کی امانت چھپانے کا نہیں ہے۔ اگر میں اس خبر کو پوشیدہ رکھوں گا تو خدا و رسول کا خیرخواہ کیسے رہوں گا۔ وہ ملاعنہ بولے کہ اے ابوعبداللہ! تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ خدا کی قسم ہم لوگ حلف اٹھالیں گے کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں حذیفہؓ ہم پر تہمت لگاتا ہے۔ تم بھی دیکھ لوگے کہ جنابِ رسُولِ خدا تمہاری تصدیق کریں گے اور ہمیں جھوٹا جانیں گے حالانکہ (تم ایک ہو اور) ہم تین ہیں۔ حذیفہؓ نے جواب دیا۔ کہ جب میں خدا و رسول کا خلوص ادا کردوں گا تو مجھے ہرگز اس کی پروا نہیں ہے جو تمہارا جی چاہے کہے جاؤ اور کہہ دینا۔ پس حذیفہؓ خدمتِ جنابِ رسُولِ خدا میں حاضر ہوئے۔ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السّلام بھی ایک طرف تلوار حمائل کئے تشریف رکھتے تھے۔ اُن منافقوں کی گفتگو سے حذیفہؓ نے جنابِ رسُولِ خدا کو آگاہ کردیا۔ آنحضرتؐ نے ایک آدمی اُن کے پاس بھیج کر اُنہیں بُلایا۔ جب وہ لوگ حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کیوں نابکارو! تم نے کیا کہا تھا؟ سب (جھوٹے فریبی) بولے خدا کی قسم ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ جو کچھ خبر حضور کو دی گئی ہے وہ سب ہم پر افترا اور بہتان ہے۔ اُس وقت جبرئیلؑ امین یہ آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا الخ لے کر نازل ہوئے اور جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ لوگ جو چاہیں کہہ لیں خدا کی قسم جب تک میرا دل میری پسلیوں میں اور میری تلوار میری گردن میں حمائل ہے اگر یہ لوگ میرے قتل کا قصد کریں گے تو میں بھی ان کو جواب دے لوں گا۔ جبرئیلؑ امین نے عرض کی یا رسول اللہ! جو جو حادثے (علیؑ) پر پڑنے والے ہیں آن پر صبر کیجئے۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیلؑ امین

کی پوری گفتگو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو سنا دی اور فرمایا کہ اے علیؑ! اس وقت صابر اور راضی برضا و تقدیر رہنا۔ اس موقعہ پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ (زید کی یہ تقریر سنکر) اس مجمع کا ایک بڈھا بول اٹھا اگر میں اس وقت موجود ہوتا جبکہ یہ بیہودہ باتیں اُن لوگوں نے کی تھیں (اور میں کچھ نہ کہتا) تو میں گدھے سے بدتر تھا۔ اس بوڑھے کے پہلو میں ایک جوان بیٹھا تھا وہ کہنے لگا۔ کہ (اے زید جیسا تم کہتے ہو) اگر یہ سچ ہے تو بیشک ہم لوگ گدھے سے بدتر ہیں۔

ضمیمہ نوٹ نمبر ۴ متعلق صفحہ ۲۱۷

کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مُردے کے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور ایک قوم کی نماز میں چار تکبیریں فرماتے تھے ایک دن ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور سائل کے جواب میں فرمایا کہ یہ منافق تھا حنان نے اپنے باپ سدیر سے اور سدیر نے اپنے والد سے اور انہوں نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ زمانہ جناب رسول خدا میں ایک منافق مرگیا (اس کا بیٹا مومن تھا) آنحضرتؐ نے اس کے پاس کسی کو بھیج کر کہلا بھیجا کہ جب تم جنازہ لے کر چلنے لگو تو مجھے خبر کر دینا۔ پس جب وہ لوگ مردے کا کام انجام دے چکے ایک آدمی کو اطلاع کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ آنحضرتؐ وہاں تشریف لے گئے اور اس میت کے فرزند کا ہاتھ پکڑ کے جنازہ کے ہمراہ چلے۔ عمر نے اعتراض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو خدا نے ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں کے پاس کھڑا ہونے کو منع نہیں کر دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جیسے ہی وہ لوگ جنازہ لئے ہوئے قبر پر پہنچا چاہتے تھے کہ عمر بن خطاب نے جناب رسولِ خدا سے پھر وہی خطاب کیا۔ کیا آپ کو خدا تعالےٰ نے ان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے منع نہیں کیا ہے؟ ان لوگوں نے تو خدا و رسولؐ کا انکار کیا ہے۔ اور یہ کفر کی حالت میں مرے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اُس وقت عمر سے فرمایا کہ تو نے تو مجھ کو اس کے جنازہ پر نماز پڑھتے دیکھا اور نہ میں اس کی قبر پر کھڑا ہوا (پھر تو مجھ پر اعتراض کیوں کرتا ہے؟) چونکہ اس کا بیٹا باایمان ہے ہم کو اس کا حق ادا کرنا ضروری تھا اس لئے ہم چلے آئے) عمر نے کہا کہ میں خدا کے غضب اور اے جناب رسولِ خدا! آپ کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ محمد بن المہاجر نے اپنی ماں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ میں (ایک روز) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گئی اور میں نے عرض کی کہ اے فرزند رسولِ خدا! اللہ تعالےٰ آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ ایک مرتبہ فرقہ مرجیہ کی ایک عورت (سفر حج میں) میرے ہمراہ تھی جب قافلہ جبل ایمن کے پاس پہنچا تو سب آدمیوں نے احرام باندھ لیا اور اس عورت نے بھی احرام باندھ لیا۔ لیکن میں نے وادی عقیق پر پہنچکر احرام باندھا۔ پس وہ عورت بولی کہ اے گروہ شیعہ! تم لوگ اس چھوٹی سی بات میں بھی عام مسلمانوں کی مخالفت کرتے

ہو کہ انہوں نے تو کوہِ ایّن سے احرام باندھا اور تم نے وادیِ عقیق سے۔ اسی طرح تم لوگ نمازِ میّت میں بھی اُن کے مخالف ہو کہ وہ تو میّت پر چار تکبیریں کہتے ہیں اور تم لوگ پانچ تکبیریں کہتے ہو۔ (اے مولا!) وہ عورت خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہہ رہی تھی کہ میّت پر چار ہی تکبیریں کہنی چاہئیں۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ جنابِ رسولِ خدا کا دستور یہ تھا کہ نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ پہلی تکبیر کے بعد تشہد پڑھتے تھے۔ دُوسری کے بعد صلوات۔ تیسری کے بعد عام مومنین کے لئے استغفار۔ چوتھی کے بعد خاص اُس میت کے لئے دُعا۔ پانچویں پر ختم کر دیتے اور تشریف لے جاتے تھے۔ اور جب سے خدائے تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو منافقین کے جنازہ پر نماز پڑھنے کو (یعنی چوتھی تکبیر کے بعد خاص اُن کے لئے دعا کرنے کو) منع فرمایا تو اُس دن سے وہ جناب منافقین کی نمازِ جنازہ یوں پڑھنے لگے کہ پہلی تکبیر کے بعد تشہد دُوسری کے بعد صلوات۔ تیسری کے بعد عام مومنین کے واسطے استغفار اور چوتھی پر ختم کر دیتے اور خاص اُس میّت کے لئے دعائے مغفرت نہ فرماتے ؎